زندگی بے بندگی شرمندگی
۲
حُبِّ الٰہی
بنتُ الاسلام

زندگی بے بندگی شرمندگی: ۲

حب الٰہی

بنت الاسلام

ادارہ بتول

سید پلازہ 30 فیروز پور روڈ لاہور

ناشر .... ادارہ بتول

نام کتاب .... حبِ الٰہی

مطبع .... ماشاءاللہ پریس

کمپوزنگ .... محمد اشفاق ملک

پہلی بار 1973ء

تیئیسویں بار 2010ء

قیمت .... -/80روپے

ترتیب

عنوان	صفحہ
☆ جذبہ محبت	7
محبت کی بنیاد	14
☆ توحید	21
کفراور شرک	36
اسبابِ شرک	45
فرشتوں کا تصور	45
مصلحین کی محبت	49
کچھ دوسرے اسباب	50
اللہ سے اور اللہ کے لیے محبت	53
خشیتِ الٰہی	59
رضائے الٰہی	70
☆ ذکر الٰہی	83
قلبی ذکر	87

قولی ذکر	88
عملی ذکر	99
ذکرِ الٰہی کی برکات	100
☆شکر	107
اقسامِ شکر	113
جذبۂ شکر پیدا کرنے کے ذرائع	114
☆توکل	122
اللہ تعالیٰ کا انسانوں سے محبت کرنا	132
اللہ تعالیٰ کن انسانوں سے محبت کرتا ہے	133
تقویٰ	136
عفو و درگزر	138
جہادِ فی سبیل اللہ	138
صبر	139
راہِ خدا میں خرچ کرنا	140
احسان، نیکوکاری	141
عدل وانصاف	143
توکل علی اللہ	144
پاکیزگی	144
معاہدات کو پورا کرنا	145
اطاعتِ رسول	146

توبہ کرتے رہنا	147
رحمتِ الٰہی	148
☆دُعا	150
مقبول دعائیں	155
ممنوع دعائیں	157
دعا کے بارے میں کچھ ہدایات	159
کچھ مناجاتیں	164
حضور ﷺ کی مناجاتیں	164
حضرت علیؓ کی مناجات	166
امام زین العابدین علیؒ کی مناجات	166
حضرت ذوالنون مصریؒ کی مناجات	167
حضرت رابعہ بصریہؒ کی مناجات	168

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاد باش' اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

(مولانا رومؒ)

جذبہ محبت

کلام پاک میں سورۂ احزاب کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے ۔ مگر انسان نے اسے اٹھالیا ۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے ۔ اس بارِ امانت کو اٹھانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے!''

ان آیات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے کوئی ایسا مشکل کام اپنے ذمہ لے لیا تھا جس سے زمین آسمان پہاڑ سب ڈر گئے تھے اور انہوں نے اس امانت کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کردی تھی ۔ مگر انسان نے بظاہر آسمان، زمین اور پہاڑوں سے زیادہ کمزور ہونے کے باوجود اس ذمہ داری کو اٹھالیا ۔ اور اب جب اٹھا ہی لیا ہے تو ظاہر ہے اگر اس ذمہ داری کو پورا کرے گا تو انعام کا مستحق ٹھہرے گا، اور اگر نہ پورا کرے گا

تو سزا پائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرما ہی دیا ہے:

''...... تا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں' اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول کرے!''

اب سوال یہ ہے کہ وہ ذمہ داری کیا تھی جو انسان نے اٹھائی اور جسے یہاں امانت کا نام دیا گیا ہے۔

علماء نے اس لفظ ''امانت'' کی تشریح میں بہت کچھ کہا ہے جس کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ انسان نے یہ ذمہ داری اٹھائی تھی کہ دنیا میں خدا کا نائب بن کر رہے گا اور اس کے بھیجے ہوئے احکامِ دین کو تسلیم کرے گا۔

یہ کام کہ انسان دنیا میں اللہ تعالیٰ کا صحیح نائب بن کر رہے اور اس کے بھیجے ہوئے احکام دین کو خود بھی مانے اور دوسروں کو بھی ماننے کی دعوت دے' ایک بڑا ہی مشکل اور کٹھن کام ہے۔ جس شے نے اس کام کو بے انتہا مشکل بنا دیا ہے یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے انسان کو سیدھا راستہ اختیار کرنے یا غلط راہ پر چل نکلنے دونوں کا اختیار بخش دیا ہے۔ وہ چاہے تو اپنے پیدا کرنے والے کو مانے اور چاہے تو اس کا انکار کر کے کسی حقیر سے حقیر چیز کے آگے سر جھکا دے۔ چاہے تو نیکی کا رویہ اختیار کرے اور چاہے تو اکڑ میں آ کر نافرمان بن بیٹھے۔

پھر ایک تو اسے برائی کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور دوسرے اس کے ساتھ اس کے ازلی دشمن شیطان کو بھی لگا دیا گیا ہے جو ہر وقت برائی کو خوش نما بنا بنا کر اس کے سامنے پیش کرتا اور اسے بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

ان دونوں چیزوں نے مل کر انسان کے لیے یہ کام بے انتہا مشکل بنا دیا ہے۔

کہ وہ دنیا میں خدا کا فرمان بردار نائب بن کر رہے اور اس کے بھیجے ہوئے احکام پر عمل کرے۔ برائی کو کر گزرنے کا اختیار ہونے کے باوجود برائی سے بچنا اور ایک ایسے دشمن سے اپنے دین وایمان کو بچالینا جو جسم میں خون میں کی طرح گردش کرتا رہتا ہے یہ منزل بڑی کٹھن منزل ہے اور یہ راہ بڑی دشوار گزار راہ ہے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب ایک اور حقیقت ہے جسے سمجھ لینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے جو کام دنیا میں مشکل رکھے تھے ان میں آسانی پیدا کرنے والے اسباب بھی ساتھ ہی پیدا کر دیئے اور جذبہ محبت انہیں اسباب میں سے ایک سبب ہے یہ جذبہ زندگی کی مشکلات میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے سفر میں جو راہیں زیادہ کٹھن تھیں وہاں اس جذبے کو زیادہ افراط سے رکھ دیا گیا ہے تا کہ مشکلات کے احساس کو کم کرتا رہے۔ مثال کے طور پر انسانی بچے کی پیدائش اور پرورش ماں کے لیے اتنی بڑی تکلیف دہ چیز ہے کہ صرف اسی کی جان جانتی ہے کہ وہ اس راہ میں کتنی مشقت برداشت کرتی ہے اور ذہنی اور جسمانی اذیت سہتی ہے' مگر جہاں اس پر اتنا بوجھ ڈالا گیا ہے۔ وہاں اس کے دل میں بچے کی محبت کا جذبہ اتنا شدید رکھ دیا گیا ہے کہ جو کچھ وہ سہہ جاتی ہے اس کا پورا احساس بھی اسے نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ اس کی ممتا اس کی ہر مشکل کو آسان کرتی چلی جاتی ہے۔

اسی مثال کو پوری زندگی پر قیاس کر لیجئے۔ انسان نے ایک بڑی بھاری ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے کہ دنیا میں خدا کا فرمان بردار نائب بن کر رہے گا۔ پھر یہ کام اسے اسی عالمِ آب وگل میں کرنا ہے جہاں چاروں طرف آزمائشیں بکھری پڑی ہیں اور جہاں ایک کینہ پرور دشمن کا ہر دم کا ساتھ ہے جس نے دنیا میں آنے سے پہلے ہی چیلنج دے دیا تھا کہ:

''...... میں ضرور ان (انسانوں) کی نظر میں دنیا میں (گناہوں کو) خوشنما بنا کر (پیش کروں گا) اور ان سب کو بہکا کر رہوں گا!''

(سورۂ حجر:۳۹)

جو کچھ شیطان نے اس وقت کہا تھا' اسے وہ آج اس دنیا میں صبح وشام کئے چلا جا رہا ہے۔ وہ نت نئے ہتھکنڈوں سے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے تاکہ انسان اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکے جو اس نے اس وقت اٹھائی تھی جب آسمانوں' زمین اور پہاڑوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

اس ازلی دشمن کو زیر کرنا اور دنیا میں نافرمان بننے کا اختیار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے احکام کا مطیع بن کر رہنا یہ اتنا کٹھن کام ہے کہ عام انسانی محبتیں اس میں آسانی پیدا کرنے سے عاجز محض تھیں۔ چنانچہ اس دشوار کام میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے چند بنیادی قسم کی محبتیں رکھ دی گئی ہیں، یعنی:

☆ خدا کی محبت

☆ خدا کے رسولؐ کی محبت

☆ خدا کے بھیجے ہوئے دین کی محبت

جتنی یہ محبتیں شدید ہوں گی' خدا کا مطیع وفرماں بردار نائب بننے کا کٹھن کام اتنا ہی آسان ہوتا چلا جائے گا۔ اور جتنی یہ محبتیں سطحی قسم کی ہوں گی' یہ راہ اتنی ہی دشوار لگنی شروع ہو جائے گی۔ اور اگر خدانخواستہ یہ محبتیں دلوں سے مٹ گئیں تو پھر تو انسان کو کبھی یاد بھی نہیں آئے گا کہ اس نے کبھی کسی بات کی ذمہ داری اٹھائی بھی تھی۔ پھر انسان کی یہ مجرمانہ غفلت ایسی مسلسل اور متواتر ہو جائے گی کہ اسے اسی وقت ہوش آئے گا جب خالق کائنات اسے مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے بصد جاہ وجلال دریافت فرمائے

گا کہ ''اے آدم کے بیٹے! وہ وعدے کیا ہوئے جو تو نے ہم سے کیئے تھے اور وہ ذمہ داری کیا ہوئی جو تو نے اس وقت اٹھائی تھی جب آسمانوں، زمین، اور پہاڑوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔''

دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جگہ پکڑ لینا وہ خوش بختی ہے کہ جب یہ حاصل ہو جائے تو یہ دنیوی زندگی ہی بہشت بن جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ دلوں میں اللہ کی محبت کے گہرا ہو جانے کے باعث دنیوی مشکلات اور مصائب بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔ انہیں تو بشر کی زندگی میں بہر حال رہنا ہی ہوتا ہے۔ تاہم حبِ الٰہی کا جذبہ ان کی شدت اور اذیت کو بے انتہا کمزور کر دیتا ہے اور بہت سے ایسے حادثات و واقعات جنہیں عام لوگ بڑی بڑی مصیبتیں سمجھتے ہیں۔ حبِ الٰہی کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے سرے سے مصیبتیں بنتے ہی نہیں۔

مثلاً دنیاوی جاہ وجلال اور مال وزر کا ضائع ہو جانا لوگوں کے لیے بہت بڑی مصیبت ہوتی ہے مگر خدا کو سچے دل سے چاہنے والوں کے لئے یہ کوئی مصیبت نہیں۔ کیونکہ حبِ الٰہی کے باعث ان کی قلبی کیفیت ان نیک بزرگوں جیسی ہو جاتی ہے جن کے تجارتی جہاز کے ڈوب جانے اور سامانِ تجارت کے فنا ہو جانے کی خبر پہنچی تو انہوں نے جزع فزع کرنے کے بجائے الحمدللہ کہا۔ کچھ دیر کے بعد اطلاع آئی کہ وہ پہلی خبر غلط تھی۔ جہاز صحیح سالم ہے اور سامانِ تجارت بھی محفوظ ہے۔ یہ سن کر انہوں نے پھر وہی الفاظ کہے کہ الحمدللہ۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت! یہ کیا بات ہے کہ جب آپ کو نقصان پہنچنے کی خبر ملی تھی تو بھی آپ نے خدا کا شکر ہی ادا کیا۔ اور جب نقصان سے بچ جانے کی اطلاع پہنچی تو بھی آپ نے خدا کا شکر ہی ادا کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ جب مجھے اتنے بڑے نقصان کی اطلاع پہنچی تو میں نے اپنے دل میں غور کیا

کہ کہیں میرا دل اس نقصان کی خبر کو سن کر بہت پریشان تو نہیں ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے دل پر اس نقصان نے کوئی خاص اثر نہیں ڈالا، اس لیے میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ دل دنیاوی دولت کی محبت میں گرفتار نہیں ہے۔ اسی طرح جب مجھے جہاز کے محفوظ ہونے کی اطلاع ملی تو دوبارہ میں نے غور کیا کہ کہیں دل یہ بات سن کر بہت خوش تو نہیں ہوا۔ تو دوبارہ مجھے یہی پتہ چلا کہ جس طرح میرا دل نقصان کی خبر سے زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا، اسی طرح نقصان سے بچ جانے کی خبر سے بھی زیادہ متاثر نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے دوبارہ شکر ادا کیا کہ میرا دل دنیاوی دولت کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہا۔

اسی طرح دکھ بیماری یا کسی عزیز پیارے کا دنیا سے چلے جانا دلِ رنجور کے لیے سخت اذیت کا باعث بنتا ہے اور ان حادثات سے تو وہ لوگ بھی متاثر ہو جاتے ہیں جن کے دلوں میں خدا کی محبت جگہ پکڑ چکی ہوتی ہے۔ تاہم یہ تاثر انہیں بے قراری کے اس درجے پر نہیں پہنچاتا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں۔ یا اللہ رب العالمین سے شکوے شکائتیں شروع کر دیں۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ اپنے آخری سانس لے رہے تھے۔ شدتِ غم سے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان مبارک سے یہی فرمایا۔

”آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے مگر (منہ سے) ہم وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہے (اور پھر بچے کو مخاطب کر کے صرف اتنا فرمایا کہ) خدا کی قسم اے ابراہیمؓ ہم تیرے باعث غمگین ہیں۔ (مسلم)

عمرو بن علاء خلیفہ ہشام سے ملنے چلے۔ راستے میں ان کے پاؤں میں کوئی زہریلا مادہ پیدا ہو گیا۔ جب وہ شام پہنچے تو سارا زہر پورے بدن پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔

اطباء کو بلایا گیا تو سب نے بالاتفاق رائے دی کہ جب تک پاؤں نہ کاٹا جائے گا۔ آرام نہیں آئے گا لوگوں نے بے ہوش کرنے کی تیاریاں کیں' مگر عمرؓ نے کہا:

''خدا کی قسم! میں یہ نہیں چاہتا کہ خدا کے ذکر سے غافل رہوں۔''

جب ٹانگ کاٹی گئی تو نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا:

''اے اللہ! اگرچہ تو نے میرا ایک عضو لے لیا۔ لیکن دوسرے اعضا تو باقی ہیں!''

تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ انہیں اطلاع ملی کہ ان کا ایک بیٹا چھت سے گر کر مر گیا ہے۔ انہوں نے پھر آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا:

''اے اللہ! اگرچہ تو نے میرا ایک بیٹا لے لیا ہے۔ لیکن تیرے دیئے ہوئے دوسرے بیٹے تو موجود ہیں۔ اے اللہ! ہر حالت میں تیرا شکر ہے!''

غرضیکہ حبِ الٰہی کا جذبہ ایک ایسا مخلص ہمدرد اور دلسوز رفیق ہے جو ہر دم ساتھ رہتا' ہر پریشانی میں دلجوئی کرتا' ہر بے کار غم سے بچاتا اور ہر کار آمد غم میں سہارا بنتا ہے۔ یہ کتاب۔ جو پیش کی جارہی ہے اس کا موضوع یہی حبِ الٰہی ہے جو تمام محبتوں کی اصل اور جڑ ہے۔ رسولؐ کی محبت' اور دین کی محبت بھی اسی سرچشمے سے نکلی ہیں۔ کیونکہ رسول بھی اس لیے محبوب ہیں کہ وہ خدا کے رسولؐ ہیں' اور دین بھی اسی لیے پیارا ہے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔

جن حالات میں سے ہم گزر رہے ہیں اور جس طرح اسلام وطنوں کے اندر بے وطن ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر اسلام کی سربلندی کے لیے کوشش کرنے والوں کی منزل اتنی کٹھن ہو چکی ہے کہ ان بنیادی محبتوں کو دل میں نقش کیے بغیر یہ راہیں کبھی طے نہ ہو سکیں گی!

محبت کی بنیاد

محبت کی بنیاد زیادہ تر واقفیت پر ہوتی ہے۔ عموماً ہم انہیں ہستیوں سے محبت کرتے ہیں جن سے ہمیں واقفیت حاصل ہوتی ہے اور جن کی صفات کو ہم جانتے ہیں۔ لہٰذا دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے سچی محبت تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب پہلے اس کی ذات اور صفات سے صحیح واقفیت حاصل ہو۔

اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ خدا پر ایمان ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات اور صفات دونوں پر ایمان ہو۔ یعنی اس پر بھی ایمان ہو کہ وہ موجود ہے اور اس پر بھی ایمان ہو کہ وہ خاص خاص صفات کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن میں سے ہر نام ایک خاص صفت بتاتا ہے۔ چنانچہ یہ ننانوے نام صفاتی نام کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ ان صفاتی ناموں میں خدا تعالیٰ کی جتنی صفات بیان ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے کچھ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ	بہت زیادہ مہربان
اَلرَّحِیْمُ	نہایت رحم والا

اَلْمَلِکُ	بادشاہ	○
اَلْقُدُّوسُ	بے حد پاک	○
اَلْمُؤمِنُ	امن دینے والا	○
اَلْمُهَيمِنُ	نگہبانی کرنے والا	○
اَلتَّوَابُ	بہت توبہ قبول کرنے والا	○
اَلْعَظِيمُ	عظمت والا	○
اَلْبَصِيرُ	دیکھنے والا	○

اللہ تعالیٰ کی ننانوے صفات پر ایمان لانا یہ ہے کہ ان صفات پر ایسا پکا قلبی یقین ہو کہ وہ یقین اعمال پر بھی اثر انداز ہو۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بصیر ہے۔ یعنی دیکھنے والا...... ویسے ماننے کی حد تک بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھنے والا ہے۔ مگر ماننے والوں میں سے کتنے ہیں جن کا یہ احساس اتنا گہرا ہے کہ انہیں برائیوں سے روک بھی لیتا ہے۔ وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ خدا ہر وقت دیکھ رہا ہے اور وہ برائیوں کی سزا دینے والا ہے بے جھجک برائیاں کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نظری حد تک تو اس بات کو مانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھنے والا ہے۔ مگر یہ ماننا ان کے دلوں میں اس حد تک نقش نہیں ہوا کہ انہیں برے کاموں سے روک بھی لے۔

عربی زبان میں ایک کہانی بیان کی گئی ہے کہ ایک باپ اپنے کمسن بیٹے کو لے کر پرائے باغ میں جا گھسا۔ اس نے بیٹے کو درخت کے نیچے کھڑا کیا اور اسے سمجھایا کہ میں درخت کے اوپر چڑھ کر پھل توڑتا ہوں تم ادھر ادھر دیکھتے رہنا اگر باغ کے مالک یا مالی وغیرہ کو آتے دیکھو تو آہستہ سے مجھے بتا دینا کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔

بچے کو باپ کی یہ حرکت اچھی تو نہ لگی مگر وہ خاموش رہا۔ باپ درخت کے اوپر چڑھ کر پھل توڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد بچے نے دھیمی سی خوف انگیز آواز نکال کر کہا۔

''ابا جان! کوئی دیکھ رہا ہے''!

باپ جلدی سے نیچے اتر آیا۔ مگر جب ادھر ادھر دیکھنے پر اسے کوئی شخص نظر نہ آیا تو اس نے ناراض ہو کر کہا:

''اب کون دیکھ رہا ہے؟ مجھے تو کوئی بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔''

بچے نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا:

''وہ دیکھ رہا ہے۔''

اب باپ اور بیٹا دونوں ہی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ خدا بصیر ہے اور ہر وقت دیکھ رہا ہوتا ہے مگر باپ کا یہ جاننا صرف جاننے کی حد تک تھا۔ اور بیٹے کا جاننا اس کا ایمان بن چکا تھا۔

اب اللہ تعالیٰ کی چند اور صفات پر غور کیجئے:

وہ	اَلْمُقِیْتُ	یعنی روزی دینے والا بھی ہے
وہ	اَلرَّزَّاقُ	بہت رزق دینے والا بھی ہے
وہ	اَلْمُنْتَقِمُ	یعنی انتقام لینے والا بھی ہے

اب اگر ہم واقعی یہ ایمان رکھتے ہوں کہ خدا المقیت' الرزاق اور المنتقم ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ہم روزی کی تلاش میں حرام دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور حلال دروازوں پر ہی توجہ رکھیں۔ کیونکہ روزی تو ہر صورت میں اسی کی طرف سے آتی ہے، اگر ہم اس روزی کو ایسے ذرائع سے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے جنہیں اس نے حرام قرار دے دیا ہے تو وہ اس روزی کے ساتھ ہمیں اپنی ناراضگی اور قہر بھی دے گا

کیونکہ وہ المقیت اور الرزاق ہونے کے علاوہ المنتقم بھی ہے۔

پھر روزی جب اسی نے دینی ہے، کسی اور نے نہیں دینی تو روزی کے حصول کے سلسلے میں اپنے ہی جیسے کمزور اور بے بس انسانوں کے دروازوں پر ذلیل وخوار کیوں ہوا جائے۔ اور پتھر، چونے، لکڑی کے پتلوں کے آگے ناکیں رگڑ کر انسانیت کو ذلیل کیوں کیا جائے۔

جب ہم حصولِ زر کی خاطر رشوت، غبن، بددیانتی، دھوکہ، فریب، قماربازی، سود خوری کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں یا پست اخلاق اور بے دین انسانوں کی خوشامدیں کرتے ہیں یا زندہ اور فوت شدہ بے بس انسانوں سے حاجتیں مانگتے ہیں۔ اس وقت درحقیقت ہمیں اس بات پر کوئی ایمان نہیں ہوتا کہ اللہ رب العالمین مقیت بھی ہے اور رزاق بھی اور منتقم بھی!

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت توآب بھی ہے، یعنی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا۔ اس صفت پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو پورا یقین ہو کہ اگر اس نے سمندر کی جھاگ کے برابر بھی گناہ جمع کر لیے ہیں تو بھی اگر وہ سچے دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے اصلاح کا عہد کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ توآب ہے اور اس کے توآب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسانوں کو گناہوں سے رک جانے اور حق کی طرف آنے کا موقع بہم پہنچاتا رہے۔ ہاں جب کسی گنہگار کی موت ہی اس کے سامنے آ موجود ہو تو پھر البتہ اس کی توجہ کو شرفِ قبولیت نہیں بخشا جاتا۔ کیونکہ موت کے سامنے آ جانے پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے پہلے توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اور مہربان پروردگار رحمت سے توجہ فرمانے پر ہر دم تیار ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک خشک' بے آب وگیاہ' ہلاکت خیز سرزمین میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی اونٹنی ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی ہو۔ پھر وہ سو جائے اور جب جاگے تو وہ اونٹنی کہیں جا چکی ہو۔ وہ اسے تلاش کرتا رہے یہاں تک کہ اسے پیاس لگ آئے۔ پھر وہ (اپنے آپ سے) کہے کہ اسی جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں پہلے تھا۔ اور سو جاتا ہوں' یہاں تک کہ مر جاؤں۔ چنانچہ وہ (وہیں واپس آ جائے جہاں پہلے سویا تھا اور لیٹ کر) اپنا سر اپنی کلائی پر رکھ لے (اور سو جائے) تاکہ مر جائے۔ پھر جب جاگے تو (دیکھے کہ) اس کی سواری اس کے پاس (کھڑی) ہے اور اس کا زادِ راہ اور اس کا کھانا اور اس کا پانی (سب کچھ اسی طرح اس پر (لدا) ہے۔ جتنی خوشی اس شخص کو اپنی سواری اور اپنا زادِ راہ پا کر ہوتی ہے، اس سے زیادہ خوشی خدا کو اپنے مومن بندے کے توبہ کرنے پر ہوتی ہے۔ (مسلم)۔

فارسی کے ایک مشہور شاعر ابوسعید ابوالخیر کی ایک رباعی ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ مادرگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

''واپس آ جا' واپس آ جا' جہاں بھی تو ہے وہاں سے واپس آ جا۔ اگر تو کافر ہے یا آتش پرست ہے یا بت پرست ہے تو بھی تو واپس آ جا' ہماری یہ درگاہ نا امیدی کی درگاہ ہے ہی نہیں۔ چاہے تو نے سو بار توبہ توڑی ہو تو بھی واپس آ جا۔''

غرض کہ اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں تو آپ ماننے والے کے لیے ہمیشہ یہ موقع

موجود رہے گا کہ وہ گناہوں سے توبہ کر کے ایک پاکیزہ زندگی کا آغاز کر سکے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''عظیم'' بھی ہے۔ یعنی بہت عظمت والا۔
اس کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے ذرا اس کائنات پر غور کیجئے جس کا وہ خالق ہے۔ یہ کتنی وسیع ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کے لیے اتنا معلوم کر لینا کافی ہے کہ سائنس اپنی بے پناہ ترقی کے باوجود ابھی تک اس کی حدود کو معلوم نہیں کر سکی۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ شاید کسی دن اس کی حدود کا پتہ چل جائے مگر یہ امکان بھی موجود ہے کہ یہ لامحدود ہو۔

کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کائنات میں کتنی اور دنیائیں موجود ہیں اور ان میں کون کون بستا ہے۔ کائنات کے بعض سیارے زمین سے اتنی دور ہیں کہ درمیانی فاصلوں کو ناپنے کے لئے کوئی موجود انسانی پیمانہ کافی نہیں ہوتا تھا چنانچہ ایک اصطلاح گھڑی گئی جسے نوری سال کہا جاتا ہے۔ نوری سال کتنا فاصلہ ہوتا ہے اسے اس طرح سمجھایا جاتا ہے کہ روشنی ......۱۸۶۵۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتی ہے اگر کوئی اسی روشنی کی رفتار سے چلے تو ایک سال کے اندر وہ جتنا فاصلہ طے کرے گا اسے ایک نوری سال کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک نوری سال ۵,۸۸۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ میل کا فاصلہ بنتا ہے۔

واضح رہے کہ دوربین نے بعض ایسے سیاروں سے متعارف کرایا ہے جو زمین سے سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں نوری سال کے فاصلے پر ہیں۔ ذرا اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ یہ کائنات کتنی بڑی اور کتنی وسیع ہے کہ انسانی عقل اس کی وسعت کی بے پناہی کے آگے ششدر کھڑی رہ جاتی ہے۔

ہماری یہ زمین جسے ہم اتنی بڑی اور وسیع سمجھتے ہیں، کائنات کے مقابلے میں ایک حقیر ذرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ پھر اس حقیر ذرے کے اندر رہنے والا ایک حقیر

تر ذرہ یعنی انسان اور دوسری طرف اس بے پایاں کائنات کا پیدا کرنے والا اور سنبھالنے والا وہ ربِ عظیم ان دونوں ہستیوں کا آپس میں کوئی مقابلہ ہے؟ مگر اس کے باوجود انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ اس حقیر ذرے انسان نے حماقت کے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ اس ربِ جلیل کا مدمقابل بننے کے دعوے کیے۔ اور ایسے انسان تو کروڑوں کی تعداد کو پہنچتے ہیں جو اس کے وجود کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اسے نہ ماننے پر مصر ہیں۔ انسان یہ احمقانہ غلطی اسی لیے تو کرتا ہے کہ وہ اس کی صفت عظیم کے صحیح احساس سے عاری ہے۔

یہی حال اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کا ہے۔ ان صفات کو صحیح معنوں میں ماننے کے کچھ تقاضے ہیں اور اگر یہ تقاضے پورے نہ ہوں تو پھر اس کا یہی مطلب ہے کہ ذہنی لحاظ سے تو خدا کی ان صفات کو مانا جا رہا ہے مگر دل پر اس کا کوئی اثر نہیں، اس لیے عملی طور پر ان کا انکار کیا جا رہا ہے۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اس کی ذات و صفات سے پوری واقفیت ہو اور ان پر پورا پورا ایمان لایا جائے۔

توحید

وہ ایک غریب طالب علم تھا۔ ایک طرف علم کا شوق بے پناہ تھا اور دوسری طرف صحت بے حد کمزور تھی۔ ایک سال اس پر ایسا آیا کہ چھ ماہ اس نے کالج کے ہوسٹل میں گزارے اور چھ مہینے ایک ہسپتال کی جنرل وارڈ میں۔ اگرچہ اول الذکر تعلیمی ادارہ تھا اور آخر الذکر طبی...... مگر اتفاق کی بات کہ ان دونوں اداروں کے اندرونی حالات حیرت انگیز طور پر ایک جیسے تھے۔

کالج میں پرنسپل اور وائس پرنسپل کے باہمی تعلقات سخت کشیدہ تھے۔ اگرچہ رتبے کے لحاظ سے پرنسپل بڑا تھا مگر بدقسمتی سے وائس پرنسپل وزیر تعلیم کا کوئی قریبی رشتے دار تھا اور اس تعلق نے اسے سخت بد دماغ بنا دیا تھا۔ وہ پرنسپل کو پرِ کاہ وقعت نہ دیتا اور ہر معاملے میں من مانی کرنے ہی میں سکون محسوس کرتا۔ پرنسپل بھی صورتِ حال کو خوب سمجھتا تھا اور بہت سے معاملات میں وائس پرنسپل سے دب بھی جاتا تھا۔ تاہم چوں کہ وہ ادارے کا سربراہ بھی تھا، کئی امور میں اسے اپنی رائے منوانے پر اصرار بھی ہوتا تھا۔ ادھر وائس پرنسپل کا یہ حال تھا کہ وہ بزعم خود پورا پرنسپل بن چکا تھا اور کسی معاملے میں بھی، چاہے

وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہوتا اپنی رائے کو چھوڑنے میں ہیٹی محسوس کرتا تھا۔ غرضیکہ صورتِ حال ایسی تھی کہ گویا کالج کو ایک پرنسپل نہیں بلکہ دو پرنسپل چلا رہے ہیں۔

ان دو حاکمیتوں نے ادارے کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ پڑھانے والا سٹاف، پڑھنے والے طلبہ، دفتر کے کلرک، ہوسٹل کا عملہ، بلکہ کالج کے مالی، چپڑاسی، جمعدار تک دو دھڑوں میں بٹ چکے تھے۔ ایک دھڑا پرنسپل کا تھا اور دوسرا وائس پرنسپل کا۔ جس طرح وہ دونوں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کے تیر برساتے رہتے اسی طرح ہر گروہ دوسرے گروہ کو خوشامدی ''چاپلوس'' اور ''چمچے'' کے خطاب دیتا رہتا۔ پرنسپل کی حامی پارٹی تو پرنسپل کی حمایت اس لیے کرتی کہ وہ پرنسپل تھا۔ اور اسی کو ان کی خفیہ رپورٹیں لکھنی تھیں، وائس پرنسپل کی پارٹی اول الذکر سے بھی زیادہ دور بینی کا ثبوت دے رہی تھی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ پرنسپل نے تو دو ایک سال میں ریٹائر ہو جانا ہے اس کے بعد وائس پرنسپل ہی ادارے کا سربراہ ہوگا۔ اس لیے ابھی سے اس کی نگاہوں میں محترم بننے کی کوشش شروع کر دی جائے۔

دونوں دھڑے اپنے اپنے لیڈر کے حضور میں حاضر ہو کر غیبتیں کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشیوں میں مصروف رہتے تھے اور طالب علموں کا برا حال تھا۔ نہ وقت پر کلاسیں لی جاتی تھیں۔ نہ لیکچر ٹھیک طریقے سے تیار کئے جاتے تھے۔ سٹاف روم میں بیٹھ کر دونوں گروہ اس طرح بلند اور غصیلی آواز میں ایک دوسرے سے جھگڑتے تھے کہ طلبہ کے دلوں سے ان کا احترام زائل ہوتا جا رہا تھا۔

وہ ایک غریب گھر کا بیٹا تھا۔ دکھیا ماں نے پتہ نہیں کس طرح مشقتیں کر کے اسے یہاں تک پہنچایا تھا۔ ایک قصبے کے اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد اب ایف، ایس، سی میڈیکل کی پڑھائی ویسے بھی اس کے لئے بہت مشکل تھی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ

سائنس سٹاف آرٹس سٹاف سے بھی کچھ زیادہ ہی جھگڑوں میں الجھا ہوا تھا۔ کیونکہ وائس پرنسپل فزکس کا پروفیسر تھا اور سائنس سٹاف ہر جائز ونا جائز بات میں اس کی حمایت کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا۔ ڈیڑھ سال گزر چکا تھا۔ بمشکل چند بار پریکٹیکل ہوئے تھے اور لیکچروں کا حال بھی خراب تھا۔

دفتر میں کلرک بھی کام کم اور سازشیں زیادہ کرتے تھے۔ کالج کے بڑے بڑے پلاٹ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث اپنی دل کشی کھوتے چلے جا رہے تھے۔ برآمدوں اور کمروں میں گرد پڑی ہوتی اور کالج کے مالی اور جمعدار بیٹھے کالج کی سیاسیات پر بحثیں کر رہے ہوتے۔

ہر وقت کی فکر اور ذہنی کوفت نے اسے اتنا بیمار کر دیا کہ اُسے مقامی سرکاری ہسپتال کی جنرل وارڈ میں داخل ہونا پڑتا۔ داخل ہوتے وقت اسے ڈاکٹر نے یہ بتایا تھا کہ اسے صرف چند ہفتے ہی ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔ لیکن اس کی اس بیماری نے وہ طول کھینچا کہ وہ چھ ماہ تک وہیں پڑا رہا۔ ایک تو امتحان کی فکر جان کھاتی رہتی اور دوسرے ہسپتال کی حالت بھی دو حاکمیتوں نے اسی طرح خراب کر رکھی تھی جیسے کالج کی۔

ہسپتال میں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ اور اس کے ماتحت ڈاکٹر میں چلی ہوئی تھی۔ ان دونوں بزرگ ہستیوں کو جنہیں ہسپتال کی دنیا میں ایم ایس اور ڈی' ایم' ایس کے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ ایک دوسرے سے خدا واسطے کا بیر تھا۔ یہاں بھی وہی کالج والی صورت تھی۔ ایم' ایس اگرچہ ہسپتال کی سب سے بڑی شخصیت تھا اور اصولاً سب کو اس کی اطاعت کرنی چاہیے تھی مگر ڈی ایم ایس کو یہ فخر حاصل تھا کہ سیکرٹری صحت اس کے ماموں کا گہرا دوست تھا۔ ایم ایس نے کوشش کی کہ وزیر صحت تک پہنچ کر ڈی ایم' ایس کو زک پہنچائے۔ مگر وائے بدنصیبی کہ وزیر صحت بھی ڈی ایم ایس کے برادرِ (نسبتی کا ہم

زلف نکلا۔اب صورت یہ تھی کہ ہسپتال میں عہدے کے لحاظ سے ایم' ایس بڑا تھا اور اثر و رسوخ کے لحاظ سے ڈی' ایم' اس۔ ہسپتال کے نیام میں یہ دو تلواریں کسی صورت میں نہیں سما رہی تھیں' اور ان کے ٹکراؤ نے وہ چھنا کے پیدا کر رکھے تھے کہ نہ مریض آرام سے سو سکتے تھے اور نہ عملہ یکسوئی سے کام کر سکتا تھا۔ ہسپتال کے سب چھوٹے ڈاکٹر' نرسیں' ڈسپنسر' بیرے' آیائیں' یہاں تک کہ ہسپتال کے باورچی خانوں میں کام کرنے والے باورچی' مائیاں' جمعدار اور جمعدارنیاں تک دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ہر گروہ کو ہسپتال کے مریضوں کے علاج معالجے اور بندوبست سے زیادہ اہم بات یہ معلوم ہوتی تھی کہ ایک دوسرے کو زک پہنچائے اور نیچا دکھائے۔

چھ مہینوں میں بغیر کسی باقاعدہ علاج اور مناسب دیکھ بھال کے وہ لوٹ پیٹ کر کسی نہ کسی طرح کچھ ٹھیک ہو کر گھر پہنچا تو ایف ایس سی کا امتحان ختم ہو چکا تھا۔ اس کا سال تو ضائع گیا مگر ایک بہت بڑی حقیقت اس کے دل میں اور ذہن پر پوری طرح نقش ہو گئی۔ ان دو سالوں کے دوران میں جو اس نے کالج اور ہسپتال میں گزارے اسے قرآن پاک کی ایک آیت بار بار یاد آتی رہی۔

> ''اللہ نے کوئی اولاد اختیار نہیں کی اور اس کے ساتھ کوئی (اور) معبود نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور ہر معبود اپنی مخلوق کو الگ لے بیٹھتا اور ان میں سے بعض بعضوں پر ضرور چڑھائی کرتے۔''
>
> (سورہ المومنون۔ آیت:۹۱)

اگر یہ چھوٹے چھوٹے ادارے بھی ایک سے زیادہ سربراہوں کے ماتحت رہ کر باہمی چپقلش کا شکار ہو جاتے ہیں تو پھر اتنی پر پیچ کائنات کو اگر ایک سے زیادہ چلانے والے چلا رہے ہوتے تو اس کا کیا حال ہوتا۔

ہوش سنبھال کر اس نے اپنے ماحول سے یہی سیکھا تھا کہ خدا ایک ہے مگر اب ان دو سالوں کے تجربے نے جس طرح خدا کی وحدانیت کو اس کے ذہن نشین کیا' اس نے اسے واقعی پکا موحد بنا دیا۔

اسلام ہمیں جس خدا پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے' اس کی صفات میں سے جس صفت پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ اس کا ایک ہونا ہی ہے اسی کو توحید کہتے ہیں اور توحید دین اسلام کا بنیادی پتھر ہے۔

انسانیت کا آغاز توحید ہی سے ہوا تھا۔ کیونکہ سب سے پہلا انسان پیغمبر تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو توحید ہی کا درس دیا تھا۔ پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا بعض وجوہ کے باعث لوگوں میں گمراہیاں پھیلتی گئیں۔ ان گمراہیوں میں سب سے بڑی گمراہی یہی تھی کہ اگرچہ انسانوں کی غالب اکثریت خدا کو مانتی رہی مگر وہ اس کے ''ایک ہی معبود'' ہونے کے قائل نہ رہے اور یہ لغزش وہ بنیادی لغزش تھی جو انہیں بتدریج گناہوں کی دلدلوں میں پھنساتی چلی گئی۔ مارے جہالت اور حماقت کے کسی نے بتوں کو پوجنا شروع کر دیا۔ کسی نے چاند ستاروں کے آگے سر جھکا لیا۔ کسی نے اس سے بھی زیادہ بے بس مخلوقات کو رب ماننا شروع کر دیا۔ اس دوران میں بار بار انبیاء آتے رہے اور انسانوں کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے رہے مگر انسان بار بار اس سبق کو بھولتا رہا۔ آخر جب محمد ﷺ انسانوں کے لیے ایک آخری اور ہمیشہ رہنے والی شریعت لے کر آئے تو اس آخری شریعت میں بھی جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ خدا کا ایک ہونا ہی ہے۔

کلام پاک میں توحید کا مضمون جگہ جگہ بیان ہوا ہے:

☆ ''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں

اور علم والوں (نے بھی یہی گواہی دی) اور وہ عدل سے انتظام رکھنے والا ہے۔کوئی معبود نہیں سوائے اس کے (جو) زبردست حکمت والا ہے!'' (آل عمران:۱۸)

☆ بے شک میں اللہ ہوں' میرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز پڑھتا رہ!'' (طٰہٰ:۱۴)

☆''پس (اے نبیؐ) تو جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں!'' (محمدؐ:۱۹)

جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے' تمام انبیاء توحید پر خصوصی زور دیتے رہے:

○ ''اور بے شک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔اس نے ان سے کہا کہ بھائیو! اللہ کی عبادت کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے!'' (اعراف:۵۹)

○ ''اور (قوم) عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود (نبی) کو بھیجا۔اس نے ان سے کہا کہ بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے!'' (اعراف:۶۵)

○ ''اور (قوم) ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ (نبی) کو بھیجا۔اس نے ان سے کہا کہ بھائیو! اللہ ہی کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے! (اعراف:۷۳)

○ ''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کے پاس موت آئی تھی جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود اور آپ

کے آباء ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے (جو) ایک ہی معبود ہے!'' (بقرہ:۱۳۳)

○ ''اور اللہ نے فرمادیا کہ دو معبود نہ بناؤ۔ وہ تو فقط ایک ہی معبود ہے!'' (النحل:۵۱)

اس وسیع وعریض کائنات کے نظام پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جتنی مخلوقات اس میں پائی جاتی ہیں وہ حساب وشمار سے بالکل باہر ہیں۔ بڑی بڑی زبردست اور طاقتور مخلوقات بھی موجود ہیں اور چھوٹی چھوٹی حقیر اور انتہائی کمزور چیزیں بھی۔ ایک طرف وہ عظیم الشان اجرامِ سماویہ ہیں کہ اگر چلتے چلتے کبھی ہماری زمین سے ٹکرا جائیں تو اسے پاش پاش کر دیں اور دوسری طرف وہ منی سی چہچہانے والی چڑیا بھی ہے جو مزے سے پھدکتی پھر رہی ہے۔ چڑیا تو پھر بھی ایک بڑی چیز ہے، کبھی برسات کی راتوں میں آپ چراغ لا کر بیٹھیں اور پھر دیکھیں کہ جو پتنگے اس پر آتے ہیں ان میں ایسے جاندار بھی ہیں جن کی جسامت ایک نقطے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

آخر وہ کون ہے جو ان تمام زبردستوں اور کمزوروں کو اس طرح سنبھالے ہوئے ہے کہ ہر مخلوق لگے بندھے قوانین کے مطابق اپنی اپنی راہ زندگی پر چلتے رہنے پر مجبور ہے اور زبردست سے زبردست مخلوق بھی اس طرح مسخر ہے کہ اپنے مدار سے نکلنے کی جرات نہیں کر سکتی۔ دوسری طرف حقیر اور کمزور مخلوقات کی طرف دیکھئے کہ زبردست مخلوقات سے بھری ہوئی اس کائنات میں وہ کس مزے اور آرام سے جیئے چلی جا رہی ہیں۔ اگر اس کائنات کو چلانے والے ایک سے زیادہ ہوتے تو کیا یہ بندوبست اور حسنِ انتظام قائم رہ سکتا تھا؟

پھر مختلف اقسام کی مخلوقات اپنی اپنی زندگی کے لئے جس طرح باہمی تعاون کی

محتاج ہیں وہ خود بہت قابلِ غور ہے۔ کسی ایک مخلوق کی نشو ونما کے لیے اور بہت سی مخلوقات کام کرتی ہیں تب کہیں جا کر وہ نشو ونما پاتی ہے۔ انسان کی بات تو چھوڑیئے کہ وہ ہے ہی معاشرتی حیوان۔ ذرا ایک گیہوں کے دانے پر ہی غور کیجئے کہ جب تک زمین' پانی' ہوا اور سورج اس کے ساتھ تعاون نہ کریں وہ کسی صورت نشو ونما نہیں پا سکتا۔ اب اگر زمین' پانی' ہوا اور سورج مختلف خداؤں کے ماتحت رہتے تو کیا پھر بھی یہ ممکن تھا کہ وہ اس دل سوزی اور یکسوئی کے ساتھ متفق ہو کر دانے کی پرورش کرتے۔ مختلف عناصر کا متفق ہو کر دوسرے عناصر کی نشو ونما میں امداد دینا واضح ثبوت ہے۔ اس بات کا کہ یہ سب عناصر کسی ایک ہی آقا کے غلام اور فرمانبردار ہیں۔

حضور رسول اکرم ﷺ کی احادیث بھی واضح کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نبی بننے سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک توحید خالص کا درس دیتے رہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے قائل کے لیے دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔ انہیں پڑھتے وقت ایک اصولی بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس قسم کی خوشخبریوں والی احادیث میں حضور صلعم کی مراد کسی نیک کام کی ذاتی خاصیت اور اس کا اصلی اثر بتانا ہوتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس نیکی کو کرتے وقت اگر کچھ اور قسم کی برائیاں بھی جاری رکھی گئیں تو پھر انجام کیا ہوگا؟

اس بات کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک طبیب کسی خاص دوائی کی خاصیت بتاتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے کہ جو شخص اطریفل کھاتا رہے گا، وہ ہمیشہ نزلے سے محفوظ رہے گا۔ یہ بات کرنے سے اس کی مراد یہ ہے کہ اطریفل کی ذاتی خاصیت یہ ہے کہ اسے استعمال کرتے رہنے سے انسان نزلے زکام سے بچا رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی

شخص اطریفل کے ساتھ تیل، ترشی اور دوسری سخت نزلہ پیدا کرنے والی اشیاء بھی استعمال کرنا شروع کردے اور توقع رکھے کہ چوں کہ وہ ان بد پرہیزیوں کے ساتھ اطریفل بھی کھا رہا ہے۔ اس لیے اسے نزلہ ہرگز نہیں ہوگا۔ تو ظاہر ہے کہ اس کا ایسا سمجھنا نادانی ہوگا!

اسی اصول کی روشنی میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ توحید کی ذاتی خصوصیت یہی ہے کہ اس کا قائل دوزخ سے بچا رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نادان توحید کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ایسی بدعملیاں بھی شروع کردے جن کا انجام قرآن وحدیث نے عذاب پانا اور دوزخ میں جانا ہی بتایا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل کسی ایسے انسان کا نہیں ہوسکتا جو واقعی مومن اور موحد ہو۔

حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ جانتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لا الہ الا اللہ (یعنی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر بھی نیکی ہوئی اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی نیکی ہوئی تو اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہوئی تو اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ الخ (بخاری)

بعض جگہ یہ حدیث اس طرح بھی بیان ہوئی ہے کہ ''نیکی'' کی جگہ ''ایمان'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر یا

گیہوں کے دانے کے برابر یا ذرے کے برابر بھی ایمان ہوا اسے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (رسول خدا ﷺ کی خدمت میں) عرض کیا گیا کہ ''یارسولؐ اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ فیض یاب کون ہوگا؟'' رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''اے ابو ہریرہؓ! میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے کوئی یہ بات مجھ سے نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں حدیث سننے کی کتنی حرص ہے (اچھا تو پھر سن لو کہ) قیامت کے دن میری شفاعت سے سب سے زیادہ فیض یاب وہ شخص ہوگا جس نے اپنے دل کے خلوص سے یا (حضورؐ نے یہ فرمایا کہ) جی کے خلوص سے لا الہ الا اللہ کہا۔'' (بخاری)

ابو مالک اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اور خدا کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے ان (سب) کا انکار کیا اس کا مال اور خون حرام ہو گیا اور اس کا حساب خدا کے سپرد ہے۔ (مسلم)

مال اور خون کے حرام ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس کا مال چھینا جا سکتا ہے نہ اس کی جان لی جا سکتی ہے۔ یعنی جو لوگ علانیہ اسلام لانے کا اظہار کر دیں ان سے جنگ نہیں کی جا سکتی، نہ ان کے مال کو مالِ غنیمت بنایا جا سکتا ہے اور آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ اس کا حساب خدا کے سپرد ہے تو اس کی تشریح یہ بتائی گئی ہے کہ اگر کوئی علانیہ طور پر تو اسلام لانے کا اظہار کر دے اور خفیہ طور پر دل میں کفر و شرک رکھے تو اس کے علانیہ اسلام لانے ہی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور دل میں وہ جو کچھ خفیہ طور پر رکھے گا اسے خدا کے حوالے کر دیا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا ﷺ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی جماعت میں شامل تھے۔ معاً رسول خدا ﷺ ہمارے درمیان میں سے اٹھ کھڑے ہوئے (اور کہیں تشریف لے گئے) پھر آپؐ نے ہمارے پاس واپس آنے میں دیر لگا دی تو ہمیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں رسول خدا ﷺ کو اکیلا پا کر تکلیف نہ پہنچائی گئی ہو۔ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سب سے پہلے میں گھبرایا۔ لہٰذا میں رسول خدا ﷺ کو تلاش کرتا ہوا نکلا یہاں تک کہ (قبیلہ) بنو نجار کے انصار کے ایک باغ کے پاس پہنچ گیا۔ میں اس کے گرد گھوما کہ کوئی دروازہ مل جائے مگر مجھے (کوئی دروازہ) نہ ملا۔ پھر دیکھا تو ایک چھوٹا نالہ دکھائی دیا۔ جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جا رہا تھا۔ میں سمٹ سمٹا کر (اس نالے کے سوراخ میں سے) اندر گھس گیا۔ اور رسول خدا ﷺ کے پاس جا پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا:

ابو ہریرہؓ میں نے عرض کیا: جی یا رسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپؐ ہمارے درمیان (بیٹھے ہوئے) تھے۔ پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے (اور چل دیئے) پھر آپؐ نے ہمارے پاس واپس آنے میں دیر لگا دی۔ اس سے ہم خوف زدہ ہو گئے کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں آپ کو تنہا پا کر آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی گئی ہو۔ پس ہم گھبرا گئے اور سب سے پہلے میں گھبرایا۔ پھر میں اس باغ کے پاس آیا اور سمٹ سمٹا کر گھس آیا جیسے لومڑی سمٹ سمٹا کر گھس آتی ہے اور وہ سب لوگ (بھی) میرے پیچھے (پیچھے آ رہے) ہیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! اور مجھے اپنے نعلین مبارک (یعنی جوتے) دے کر فرمایا کہ میرے ان نعلین کو لے کر جاؤ۔ اور اس باغ سے باہر تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی

معبود نہیں اور اس کا دل اس بات پر یقین بھی رکھتا ہو' اسے جنت کی خوش خبری دے دو۔
(حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ) پہلا شخص جو مجھے ملا وہ حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہؓ یہ نعلین کیسے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین ہیں۔ آپؐ نے مجھے یہ نعلین دے کر بھیجا ہے (تاکہ) مجھے جو بھی ایسا شخص ملے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور اس کا دل اس بات پر یقین بھی رکھتا ہو اسے جنت کی خوش خبری دے دوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے میرے سینے کے درمیان ایسی ضرب لگائی کہ میں سرین کے بل گر پڑا۔ پھر انہوں نے کہا کہ ابو ہریرہؓ واپس لوٹ جا۔ پس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس لوٹ آیا اور میں رو دینے کے قریب تھا کہ حضرت عمرؓ بھی میرے سر پر آ سوار ہوئے۔ دیکھا تو وہ میرے پیچھے پیچھے (ہی) آ گئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو ہریرہؓ تمہیں کیا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ (میں آپؐ کے ہاں سے گیا تو) حضرت عمرؓ مجھے ملے اور میں نے انہیں وہ پیغام دیا جو آپ نے مجھے دے کر بھیجا تھا تو انہوں نے میرے سینے کے درمیان ایسی ضرب لگائی کہ میں سرین کے بل گر پڑا اور (مجھے) کہا کہ واپس لوٹ جا (اس پر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم نے ایسے کیوں کیا ہے۔
حضرتؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان' کیا آپ نے ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین دے کر بھیجا تھا کہ یہ جس کسی ایسے شخص سے ملے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا دل اس بات پر یقین بھی رکھتا ہو' اسے جنت کی خوشخبری دے دے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ ایسے نہ کیجئے (یعنی لوگوں کو یہ بات نہ بتایئے کیونکہ) مجھے خوف ہے کہ پھر لوگ اسی پر بھروسہ کر لیں گے (اور یہ سمجھتے ہوئے کہ صرف توحید کے قائل ہونے اور اس پر دل سے

یقین رکھنے ہی سے ہم جنت میں پہنچ جائیں گے، نیک اعمال کی طرف توجہ نہیں کریں گے) پس آپ انہیں چھوڑ دیجئے کہ نیک اعمال (کرنے کی کوشش) کرتے رہیں (اس پر) رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ (اچھا پھر یونہی سہی) انہیں چھوڑ دو (کہ نیک اعمال کرنے کی کوشش کرتے رہیں) (مسلم)

اس حدیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ حضورؐ نے توحید کے قائل اور اس پر دل سے یقین رکھنے والے کو جنت کی خوش خبری دی تھی۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ لوگوں کو یہ پیغام نہ پہنچائیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے دل میں بھی یہی خدشہ پیدا ہوا تھا کہ کہیں ایسے نہ ہو کہ لوگ حضورؐ کے فرمان کا صحیح مفہوم سمجھنے کے بجائے اس خیال کو دل میں بٹھالیں کہ جب صرف توحید کے قائل ہونے اور اس پر دل سے یقین رکھنے ہی سے جنت مل جاتی ہے تو پھر نیک اعمال کرنے کے لیے تگ و دو کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حالانکہ اللہ کو ماننے کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے نیک اعمال بھی کیے جائیں۔ حضورؐ بھی حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق ہو گئے اور لوگوں کی طرف جو پیغام حضرت ابو ہریرہؓ کے ذریعے پہنچانا چاہا تھا اسے روک لیا۔ یہ جو بیان ہوا ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین مبارک دے کر بھیجا تو یہ بطور نشانی دیئے گئے تھے تاکہ حضورؐ کے نعلین دیکھ کر لوگ یقین کرلیں کہ یہ پیغام حضورؐ ہی نے بھجوایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ہمیں (قبیلہ) حرقہ کی طرف بھیجا جو (قبیلہ) جہینہ کی ایک شاخ ہے۔ ہم صبح ان لوگوں تک پہنچ گئے۔ اور انہیں شکست دی۔ میں اور ایک انصاری ان لوگوں میں سے ایک شخص سے

ملے۔ پھر جب ہم نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا تو وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگا (گویا اپنے مسلمان ہو جانے کا اعلان کیا) اس پر وہ انصاری تو اس سے رک گیا مگر میں اسے اپنا نیزہ مارتا رہا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا۔ پھر جب ہم واپس آئے تو رسول خدا ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوگئی۔ آپؐ نے مجھے فرمایا کہ اے اسامہؓ کیا تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد (بھی) اسے قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اس نے تو صرف پناہ حاصل کرنے کے لیے ایسے کہا تھا۔ (مگر) حضورؐ نے پھر (ویسے ہی) فرمایا کہ کیا تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد (بھی) اسے قتل کر دیا۔ حضرت اسامہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ میرے سامنے اس بات کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھے آرزو پیدا ہوئی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (مسلم)

اوپر مسلم کی ایک روایت بیان ہو چکی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور خدا کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے، ان کا انکار کیا اس کا مال اور خون حرام ہوگیا، اور اس کا حساب خدا کے سپرد ہے۔ اس روایت میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود میں نے اسے قتل کر دیا تو حضورؐ بار بار فرماتے رہے کہ کیا تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا یعنی جب اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا تو پھر اس کا خون حرام ہوگیا تھا۔ تو تو نے حرام خون کیوں بہایا۔ روایت کے آخر میں حضرت اسامہؓ نے یہ جو کہا ہے کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ صحابہؓ کو بتا چکے تھے کہ جب انسان مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کے ماقبل کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت اسامہؓ نے جو آرزو کی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا تو اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ کاش کہ میں آج مسلمان ہوا ہوتا تاکہ اسلام لانے

سے میرا یہ گناہ معاف ہو جاتا کہ میں نے ایک انسان کو اس کے لا الہ الا اللّٰہ کہنے کے باوجود قتل کر دیا۔

غرضیکہ توحید دین اسلام کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ انسانیت کو جتنے اسباق پڑھائے گئے ہیں ان میں یہ سبق سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے کہ ان کا معبود ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے علاوہ مجددین اور مصلحین بھی اپنی اپنی جگہ توحید کا پرچار کرتے رہے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسنؒ فرماتے ہیں:

''لا الہ الا اللّٰہ کو دل میں گاڑ دو۔ اگر فرشتے دل کو پھاڑ کر دیکھیں تو یہ اندر گڑا ہوا ہو۔''

☆..... .....☆

شرک اور کفر

شرک اور کفر دونوں الفاظ ایک معنی میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں تاہم کفر کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا بالکلیہ انکار کیا جائے اور شرک یہ ہے کہ خدا کو مانا تو جائے مگر اس کی مخصوص صفات میں دوسری ہستیوں کو شریک کیا جائے اور ان کے آگے وہ مراسمِ عبودیت بجالائے جائیں جو صرف خدا ہی آگے بجالائے جاسکتے ہیں۔ مثلاً سجدہ کرنا' اس کے نام کی نذرو نیاز دینا وغیرہ۔

اگر کوئی شخص سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو تو یہ کفر ہے۔ لیکن اگر کوئی خدا کے وجود کو تو مانے اور یہ بھی تسلیم کرے کہ وہ کائنات کا خالق ہے۔ مگر یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کا عقیدہ یہ ہو کہ کوئی دیوی یا دیوتا یا پیر یا چاند یا سورج یا ستارے یا فرشتے یا جن یا کائنات کی کوئی اور مخلوق مجھے تندرستی بخش سکتی ہے' یا میری روزی بڑھا یا گھٹا سکتی ہے یا میری موت کو ٹال سکتی ہے یا غیب کا علم جانتی ہے تو اس کا ایسا سوچنا چونکہ خدا کی مخصوص صفات میں دوسروں کو شریک کرنا ہے، اس لیے اسے شرک کہا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف کائنات کا خالق ہی نہیں بلکہ وہ کائنات کو سنبھالنے والا اور اس کا

بندوبست کرنے والا بھی ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے اور زمین و آسمان میں ایک پتہ بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ اس کائنات میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ اس میں کوئی سیارہ، کوئی فرشتہ، کوئی جن، کوئی دیوی، کوئی دیوتا، کوئی پیر، کوئی فقیر، کوئی چاند یا کوئی سورج بااختیار ہو سکے اور خدا کے حکم کے بغیر کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکے۔

واضح رہے کہ انسان کی گزشتہ تاریخ میں ایسے لوگ کم رہے ہیں جو خدا کا بالکلیہ انکار کریں۔ زیادہ تر انہیں گمراہوں کا حال ملتا ہے جنہوں نے خدا کی ہستی کو تو مانا مگر اس کو واحد اور قادر مطلق نہ مانا بلکہ دوسری مخلوقات کو خدائی میں اس کا شریک جانا!

قرآن میں کافر کا لفظ ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جنہوں نے خدا کے وجود کا انکار کیا اور ان لوگوں کے لئے بھی جنہوں نے خدا کے وجود کو تو مانا مگر اس کے ساتھ شرک بھی کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر کا ایک مطلب ''نہ ماننا'' اور ''انکار کرنا'' بھی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے سختی کے ساتھ روکا ہے اس لیے جو شخص شرک کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے حکم کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کافر ہوا۔ یعنی نہ ماننے والا اور انکار کرنے والا۔

شرک اس کائنات میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ کوئی برے سے برا اور گھناؤنے سے گھناؤنا گناہ بھی خدا کو اتنا ناگوار نہیں جتنا شرک...... کیونکہ شرک کرنے والا اپنی نجات کی منزل کی طرف پشت کر کے مخالف سمت کی طرف منہ کر لیتا ہے اب وہ جتنے قدم بھی اٹھاتا چلا جائے گا اپنی نجات سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔ وہ رؤف و رحیم مالک جو اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے، آخر انہیں ایسے ضرر رساں کام کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟

کلام پاک میں شرک کے متعلق بے شمار آیات آئی ہیں، جن میں سے چند

درج ذیل ہیں:

○ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۱۶ میں فرمایا گیا ہے۔

''اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے' اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔''

○ سورۃ الانعام آیت ۱۹ میں ارشاد ہوا ہے۔

''(اے نبیؐ انہیں) کہہ دیجئے کہ خدا تو وہی ایک ہے اور میں اس شرک سے قطعی بیزار ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔''

○ سورۃ لقمان آیت ۱۳ میں حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ بے شک شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے۔''

○ سورۃ النساء آیت ۳۶ میں ارشاد ہوا ہے۔

''اللہ کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔''

کلام پاک میں والدین کی اطاعت کا بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ مگر اس معاملے میں بھی یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر والدین شرک کا حکم دیں تو پھر ان کی ہرگز اطاعت نہ کی جائے۔''

○ سورۃ لقمان آیت ۱۵ میں ارشاد ہوا ہے:

''اور اگر ماں باپ یہ کوشش کریں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کا کہنا نہ مان......!''

o سورۃ زمر آیت ۶۴ میں فرمایا ہے:

''(اے نبیؐ ان سے) کہہ دیجئے کہ اے جاہلو! کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں!''

o تمام انبیاء کو شرک سے بچنے کی شدید تاکید کی گئی۔ سورۃ زمر آیت ۶۵ میں خدا نے ارشاد فرمایا ہے:

''اور آپ کی طرف اور ان (تمام) پیغمبروں کی طرف جو آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں' یہ وحی کی گئی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا (ہر) نیک عمل اکارت ہو جائے گا۔ اور تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے!''

o جن ہستیوں کو خدا کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے' ان کی بے بسی ظاہر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

''(اے نبیؐ) آپ کہیے کہ یہ تو بتلاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھلاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی ہے یا ان کا آسمان میں کچھ ساجھا ہے۔'' (الاحقاف:۴)

''اور انہوں نے اس (اللہ) کے سوا دوسرے معبود پکڑے جو کچھ پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ آپ پیدا کئے جاتے ہیں اور اپنی جانوں کے لئے نہ نقصان پر قادر ہیں۔ نہ نفع پر، اور نہ موت پر اختیار رکھتے ہیں' نہ زندگی پر' نہ کسی کے دوبارہ اٹھانے پر!'' (الفرقان:۳)

''اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے اسے کان لگا کر سن لو۔ بے شک اللہ کو چھوڑ کر تم جن (ہستیوں) کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے، چاہے سب اس (کو بنانے) کے لیے جمع ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو

اس چیز کو اس سے نہیں چھڑا سکتے کیسا کمزور ہے۔عبادت کرنے والا (بھی) اور وہ (بھی) جس کی عبادت کی جاتی ہے‘‘۔

’’اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکارے جو اس کو روز قیامت تک جواب نہ دیں اور ان کی پکار سے بھی بے خبر ہوں!‘‘ (الاحقاف:۵)

ایسے ہی رسول خدا ﷺ نے بھی مسلمانوں کو شرک سے بچنے کی شدید تاکید فرمائی ہے اور اسے سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) جس شخص کو سب سے کم عذاب ہوگا اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب کچھ ہوتا تو کیا تو اسے (اس عذاب سے بچنے کے لئے) فدیے کے طور پر دے دیتا وہ کہے گا کہ جی ہاں۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تو آدمؑ کی پشت میں تھا تو میں نے تجھ سے اس سے زیادہ آسان کام کا مطالبہ کیا تھا (یعنی یہ) کہ شرک نہ کرنا۔(اتنی حدیث بیان کر کے پھر حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ حضورؐ نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی) بیان کیا تھا کہ (اگر شرک نہ کرو گے تو) میں تمہیں دوزخ میں داخل نہیں کروں گا۔مگر تم نے شرک کرنے ہی پر اصرار کیا۔(مسلم)

اس حدیث کی رو سے جو کچھ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ بات مسلسل اس طرح بنتی ہے جب تو آدمؑ کی پشت میں تھا تو میں نے تجھ سے اس سے زیادہ آسان کام کا مطالبہ کیا تھا یعنی یہ کہ شرک نہ کرنا' اگر شرک سے بچے رہے تو میں تمہیں دوزخ میں داخل نہیں کروں گا۔مگر تم نے شرک کرنے ہی پر اصرار کیا‘‘ یہ جو حضرت انسؓ نے بیچ میں فرمایا کہ ’’میرا خیال ہے کہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا‘‘ یہ اس لیے کہ صحابہ کرامؓ حدیث کے

معاملے میں بہت احتیاط برتتے تھے۔ چنانچہ جس معاملے میں ذرا سا بھی شک پڑ جاتا تو فرما دیتے کہ میرا خیال ہے کہ حضورؐ نے ایسے فرمایا تھا ایسے کیا تھا۔ پھر حدیث میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ ''جب تو آدم کی پشت میں تھا۔'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب ابھی تو اس دنیا میں آیا بھی نہ تھا۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲ میں فرمایا گیا ہے۔

''اور (اے نبیؐ) لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تھا کہ ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔''

اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ان سے عہد لے لیا تھا کہ وہ اللہ ہی کو اپنا رب مانیں گے۔ اور انسانوں نے اسی وقت خدا سے یہ عہد کر لیا تھا۔ اس عہد کو ''عہد الست'' کہا جاتا ہے اور اس حدیث میں اسی عہد الست کی طرف اشارہ ہے۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ سب سے کم عذاب پانے والے سے فرمائیں گے کہ جب تم ابھی دنیا میں آئے بھی نہیں تھے تو میں نے تم سے عہد لے لیا تھا کہ شرک نہ کرنا تم نے یہ بات نہ مانی اور اب اس سے زیادہ مشکل کام کرنے کو تیار ہو یعنی اس کے لیے تیار ہو کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب دے کر اس عذاب سے بچ جاؤ جو تمہیں درپیش ہے۔

حضرت معاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ میں سواری پر رسول خدا ﷺ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اور آپؐ کے اور میرے درمیان کجاوے کی پچھلی لکڑی کے سوا اور کوئی شے حائل نہیں تھی۔ آپ نے فرمایا: ''اے معاذؓ بن جبل'' میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسولؐ اللہ وسعدیک'' (یعنی یا رسول اللہ میں آپ کی خدمت کے لیے بار بار

حاضر ہوں) اس کے بعد آپؐ تھوڑی دیر چلے اور پھر فرمایا:

''اے معاذؓ بن جبل!'' میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسولؐ اللہ وسعدیک'' پھر آپؐ کچھ دیر چلے' پھر فرمایا! ''اے معاذؓ بن جبل!'' میں نے (پھر) عرض کیا۔ ''لبیک یا رسولؐ اللہ وسعدیک'' آپؐ نے فرمایا کہ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں...... پھر آپؐ کچھ دیر چلے۔ پھر فرمایا: ''اے معاذؓ بن جبل!'' میں نے عرض کیا: ''لبیک یا رسولؐ اللہ وسعدیک'' آپؐ نے فرمایا کہ کیا تو جانتا ہے کہ جب بندے ایسا کرلیں تو پھر ان کا اللہ پر کیا حق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ (اس صورت میں بندوں کا خدا پر یہ حق ہے کہ) وہ انہیں عذاب نہ دے۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ وہ دو باتیں کون سی ہیں جو (جنت یا جہنم کو) واجب کر دیتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرا کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو اس حالت میں مرا کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا تھا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک دعا ہوتی ہے جس نے (ضرور) قبول ہونا ہوتا ہے اور میں نے اپنی (یہ قبول ہونے والی) دعا اپنی امت کی شفاعت کرنے کی غرض سے چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ یہ شفاعت انشاء اللہ میری امت کے ہر اس شخص کو پہنچے گی جو اس حال میں مرا کہ وہ کسی چیز

کو خدا کا شریک نہیں بناتا تھا۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ جو شخص کوئی عمل کرے۔ اور اس میں (صرف میری رضا پیش نظر نہ رکھے بلکہ) میرے غیر کو میرا شریک بنائے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔ (مسلم)

چھوڑ دیتا ہوں۔ یعنی یہ سمجھ لیتا ہوں کہ عمل میرے لیے نہیں بلکہ دوسرے کے لیے کیا گیا ہے لہٰذا اسے اس کے عمل کی جزا نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس جس کو شریک کیا جاتا ہے عموماً ان سب کا یہ حال ہے کہ ان جیسا کوئی نہ کوئی اور بھی ہوتا ہے مگر ایک اللہ کی ذات ہی ایسی ہے جس کا ہمسر کوئی نہیں، جو شرک سے قطعی پاک ہے۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا (انہیں کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر ہیں)

تو صحابہ رسولؐ (گھبرائے اور انہوں) نے کہا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہ کیا ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (بخاری)

صحابہؓ پہلی آیت پر اس لیے گھبرائے کہ انہوں نے ظلم کا مطلب خدا کی نافرمانی لیا اور یہ نافرمانی تو تھوڑی بہت انسان سے ہو ہی جاتی ہے، اس سے تو کوئی فرد

بشر خالی نہیں ہوتا۔ پس دوسری آیت میں واضح فرمادیا گیا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے جو بہت بڑا ظلم ہے اور یہ گناہ ایسا ہے کہ تھوڑا بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو غضبناک کر دیتا ہے۔

حضرت جندبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کی رحلت سے پانچ دن پہلے آپؐ کو فرماتے سنا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس چیز کی برأت ظاہر کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل (یعنی جانی دوست) ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (اپنا) خلیل بنالیا ہے۔ جیسے کہ اس نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل بنالیا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا (اور آپ نے فرمایا کہ) خبر ہو جاؤ۔ تم سے پہلے جو لوگ گزرے وہ اپنے انبیاء اور اپنے نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا کرتے تھے۔ خبردار رہو کہ تم قبروں کو سجدہ گاہیں نہ بنانا۔ بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (مسلم)

اس حدیث میں ایک تو جناب رسول خدا ﷺ کے اس اعزاز کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی دلی دوستی سے سرفراز فرمایا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا دلی دوست بن جانے کے بعد پھر حضورؐ نے انسانوں میں سے کسی کو اپنا دلی دوست نہ بنایا۔ دوسرے اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت کا ذکر ہے جنہیں حضورؐ اتنی زیادہ اہمیت دیتے تھے کہ اگر آپؐ کسی انسان کو دلی دوست بناتے تو حضرت ابوبکرؓ کو بناتے اور تیسرے اس میں تاکید سے قبر پرستی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ شرک کی جو مختلف اقسام دنیا میں رائج رہی ہیں ان میں ایک قبر پرستی بھی ہے۔ بعض جاہل لوگ تو بزرگوں کی قبروں کو سجدے تک کر گزرتے ہیں۔ ایسے ہی قبروں میں مدفون ہستیوں کو مخاطب کر کے ان سے دعائیں کی جاتی ہیں، مرادیں مانگی جاتی ہیں اور ان کے نام کی نذریں نیازیں دی جاتی ہیں۔ یہ حرکات عقیدۂ توحید کی صراحتاً خلاف ورزی ہے لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ منع

کیا گیا ہے۔

اسبابِ شرک:

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسانیت کا آغاز توحید سے ہوا تھا اور دنیا میں آنے والا سب سے پہلا انسان نبی تھا تو اس دنیا میں شرک کیسے پھیل گیا؟

جیسے کہ بیان ہو چکا اللہ تعالیٰ نے انسان میں بھلائی اور برائی دونوں کے مادے رکھے ہوئے ہیں۔ پھر برائی کے مادے کو ابھارنے کے لیے انسان کا ازلی دشمن شیطان بھی مسلسل مصروفِ عمل رہتا ہے۔ وہ شروع ہی سے انسان کا دشمن ہے کیونکہ وہ انسان کو اپنے راندۂ درگاہ ہونے کا سبب گردانتا ہے۔ اس ازلی دشمن کو اسی میں سکون ملتا ہے کہ جیسے انسان اس کی بدبختی کا سبب بنا تھا' وہ بھی انسان کو بدبخت بنا کر چھوڑے۔ جس طرح انسان اسے اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گرانے کا ذریعہ بن گیا تھا۔ وہ بھی انسان کو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے گرانے کا ذریعہ بنے۔ جس طرح انسان سبب بنا اس کے بہشت سے نکالے جانے کا' اسی طرح وہ بھی انسان کے اس پرسکون سرزمین سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جانے کا سبب بنے اور اسے اس بدعملی کی طرف خصوصی طور پر ابھارے جس سے اسے سب سے زیادہ سختی کے ساتھ روکا گیا تھا یعنی شرک!

انسانوں میں شرک پھیل جانے کے اسباب پر صاحب علم لوگوں نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا ہے جو اپنی اپنی جگہ درست ہی معلوم ہوتی ہیں۔

فرشتوں کا تصور:

شرک پھیلنے کے اسباب کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ انسانوں کو فرشتوں کا جو صحیح تصور دیا گیا تھا' اس نے بعد میں بگڑ کر دیوی' دیوتاؤں کی شکل اختیار کرلی۔ اور بت پرستی کا ذریعہ بن گیا۔ فرشتوں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ مختلف فرشتے

اللہ تعالیٰ کی اس کائنات کے مختلف کاموں پر معین ہیں۔ کوئی انسانی روزی کے کاموں پر معین ہے کوئی انسانوں کی جان لینے پر، کوئی انبیاء کے پاس وحی لانے پر، کوئی قیامت کے دن صور پھونکنے پر، بعض فرشتے انسانوں کے اچھے اور برے اعمال لکھنے پر معین ہیں۔ بعض قبروں میں میتوں سے کچھ سوالات پوچھنے کے ذمہ دار ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب اس کے بعد جب ہم بت پرست قوموں کے بت پرستانہ نظام پر غور کرتے ہیں تو وہاں بھی یہی صورت حال ملتی ہے کہ ان کے مختلف بت ان کے خیال کے مطابق مختلف کاموں پر معین ہیں۔ کوئی محبت کی دیوی ہے، کوئی نفرت کی۔ کوئی دولت کی دیوی ہے۔ کوئی علم کی، کوئی دیوتا خلق کرنے والا ہے، کوئی سنبھالنے والا، کوئی مارنے والا، کسی دیوی کا بیماری سے تعلق ہے، کسی کا تندرستی سے ہے!

بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ شروع میں انسانوں کو فرشتوں کا تصور دیا گیا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ کائنات اور انسان سے تعلق رکھنے والے مختلف کاموں پر معین ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جہالت کے باعث لوگوں نے ہر فرشتے کو اپنے اپنے کام میں بااختیار سمجھنا شروع کر دیا۔ پھر جب انہیں بااختیار سمجھ لیا گیا تو اس سے اگلا قدم یہی ہو سکتا تھا کہ زندگی کے جس معاملے میں بھی کوئی حاجت پیش آئے اسے براہِ راست خدا سے مانگنے کے بجائے اس مخصوص فرشتے سے مانگا جائے جو اس معاملے پر معین ہے اور ایسے ہی کیا بھی گیا۔ اسی شے نے آہستہ آہستہ دیوی، دیوتاؤں اور بت پرستی کی شکل اختیار کر لی۔

یہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ اسلام کے پانچ بنیادی عقیدوں میں فرشتوں پر ایمان لانا کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اور بے شمار مخلوقات پیدا کیں اور کسی پر بھی بحیثیت نوع ایمان لانا ضروری قرار نہیں دیا۔ اس کی

وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ فرشتوں کا تصور چونکہ پہلے بگاڑ کا شکار ہو کر شرک کا سبب بن چکا تھا اس لیے رسول مقبول ﷺ جو آخری شریعت لے کر آئے اس میں توحید کو پورے طور پر خالص رکھنے کے لیے فرشتوں پر ایمان لانے کو بنیادی عقیدوں میں رکھ دیا گیا ہے۔

کائنات میں فرشتوں کی ٹھیک ٹھیک حیثیت کو سمجھنے کے لئے ایک گھر کی مثال پر غور کریں۔ اس گھر کا ایک مالک ہے جو اس گھر میں پورے طور پر بااختیار ہے اس نے گھر کے مختلف کاموں کے لئے مختلف نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کو اس نے کھانا پکانے کا حکم دیا ہوا ہے' کسی کو سودا لانے کا' کسی کو بستر بچھانے کا اور کسی کو گھر صاف کرنے کا۔ اسی طرح گھر کے اور بہت سے کام اس نے مختلف نوکروں کے ذمے لگا رکھے ہیں۔

اب غور کیجئے کہ ان نوکروں کی حیثیت اس گھر میں تابعداروں کی سی ہے آقاؤں کی سی تو نہیں جو باورچی کھانا پکا رہا ہے اس کا کام بس کھانا پکانا ہی ہے اسے یہ اختیار تو نہیں کہ جس ہمسائے کو چاہے وہ کھانا اٹھا کر دے بھی دے۔ کھانا اگر کسی کو دیا جائے گا تو وہ تو مالک کے حکم سے ہی دیا جائے گا۔

اسی طرح جو نوکر بستر بچھا رہا ہے۔ اس کا کام بستر بچھانا ہی ہے وہ یہ تو نہیں کر سکتا کہ جس اجنبی کو چاہے ان بستروں پر سونے کی اجازت بھی دے دے۔ جو نوکر سودا لانے جائے گا اس کا کام مالک کا بتایا ہوا سودا لانا ہی ہے۔ اسے یہ اختیار حاصل نہیں کہ مالک اسے گوشت اور پھل لانے کو کہے اور وہ دال اور ساگ لے آئے یا سودا گھر میں لانے کے بجائے باہر بانٹ آئے۔

اسی طرح باقی سب باتوں کو قیاس کر لیجئے۔ اس گھر کے نوکر کام کرنے کے ذمہ دار ہیں' اختیارات کے مالک نہیں۔ اختیارات تو سب مالک کے اپنے ہاتھ ہی میں

ہیں۔ اگر کسی کو اس کے گھر سے کچھ لینا ہوگا تو وہ مالک ہی سے مانگے گا نوکرا سے کچھ دینے کے مجاز نہیں ہیں۔

بس یہی حیثیت اس کائنات میں فرشتوں کی ہے۔ حضرت میکائیلؑ روزی کے کاموں پر متعین ہیں۔ مگر انہیں یہ اختیار کبھی حاصل نہیں ہوا کہ جس کی روزی چاہیں فراخ کردیں اور جس کی چاہیں تنگ کردیں۔ یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ حضرت عزرائیلؑ انسانوں کی جانیں نکالنے کے کام پر متعین ہیں لیکن وہ جان لینے کے فعل ہی کو کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں یہ اختیار نہیں کہ جس پر چاہیں موت وارد کردیں اور جسے چاہیں زندگی عطا کردیں۔ حضرت جبرئیلؑ انبیاء کے پاس وحی لانے کے ذمہ دار تھے مگر یہ متعین کرنا اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ میں رہا کہ وہ کس مخصوص انسان کے پاس وحی لے کر جائیں۔ حضرت اسرافیلؑ قیامت کے دن صور پھونکیں گے مگر وہ وقتِ معین کرنا جس میں صور پھونکا جائے گا' ان کا کام نہیں' اس وقت کی تعیین اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی ہاتھوں میں رکھی ہوئی ہے: وَقِس عَلٰی ھٰذا۔

فرشتوں پر ایمان لانے کا جو ایک مسلمان سے مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کائنات میں فرشتوں کی صحیح حیثیت کو سمجھ کر اس پر قلبی یقین رکھا جائے۔ یعنی اس بات پر قلبی یقین رکھا جائے کہ فرشتے اس کائنات میں خدا کے کارندے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اس سلطنت میں خادم ہیں بااختیار نہیں۔ انسانوں کے برعکس ان میں برائی کا مادہ تو نہیں رکھا گیا اس لئے وہ گناہ کبھی نہیں کرتے تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کسی لحاظ سے بھی الوہیت میں شریک ہیں۔ انسانوں نے بہت بڑی جہالت کی جو انہیں بااختیار سمجھنا شروع کردیا۔ اس بنیادی غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاملہ بگڑتا چلا گیا یہاں تک کہ فرشتوں کو دیوی' دیوتاؤں کا نام دے کر خدا کی خدائی میں

شریک بنالیا گیا۔

مصلحین کی محبت:

انسانوں میں شرک پھیلنے کا ایک اور سبب نیک اور صالح لوگوں کی شدید محبت بتایا گیا ہے۔ اگر چہ انسان کے دل میں برائی اور اچھائی دونوں کا مادہ رکھ دیا گیا ہے اور بسا اوقات برائی کا مادہ اچھل کر اچھائی کے مادے پر غالب آ جاتا ہے مگر یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسان کے دل میں اچھائی اور نیکی کی گہری قدر دانی موجود ہے ورنہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نیکوکار انسانوں سے لوگ خواہ مخواہ محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان چاہے کتنا ہی برا کیوں نہ ہو چکا ہو' وہ نیکوکاری اور اچھائی کے لئے کشش ضرور محسوس کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نیکی بذاتِ خود حسن ہے جو انسانی دل پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہتا۔

چنانچہ وہ نیک لوگ جنہوں نے بڑی راست بازی کی زندگیاں گزاریں اور جب تک جیتے رہے، بنی نوع انسان کی بھلائی چاہتے رہے، انہیں زندگی میں بھی انسانوں سے محبت ملی اور موت کے بعد تو ان کے قدر دانوں کے دلوں میں ان کی محبت اور بھی بڑھ گئی۔ یہ محبت آنے والی ان نسلوں نے ورثے میں لی۔ جنہوں نے ان مصلحین کو آنکھوں سے دیکھا نہ تھا۔ ان نسلوں تک پہنچ کر یہ محبت محبوبوں کے نادیدہ ہونے کے باعث اور بھی گہرا رنگ اختیار کر گئی، پھر جہالت کے باعث لوگوں نے ان محبوب ہستیوں کی شبیہیں بنائیں اور ان کے آگے اظہارِ محبت وعقیدت کیا۔ یہی مبالغہ آمیز اظہارِ محبت آہستہ آہستہ پوجا پاٹ کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔

اس رائے میں بھی بہت کچھ صداقت محسوس ہوتی ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ اور نیکوکار بزرگ جنہوں نے زندگی بھر شرک کے خلاف

جدوجہد کی۔ جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے تو محبت ہی کی شدت کے باعث لوگوں نے انہیں شرک کی بیخ کنی کرنے والے بزرگوں کے مزارات کو ذریعہ شرک بنالیا۔ بقول کسے ان مصلحین نے زندگی میں شرک کی بیخ کنی کرنے اور توحید کو پھیلانے کے سلسلے میں اتنی خدمات سرانجام دیں کہ شیطان سخت ناراض ہوا۔ اوراس نے زبانِ حال سے انہیں دھمکی دی کہ جس طرح تم لوگوں نے زندگی بھر مجھے دکھ پہنچایا۔ تم ذرا دنیا سے جالو میں تمہیں کو ذریعہ شرک نہ بنادوں تو سہی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور نادان عاشقوں نے ان توحید کے پاک علمبرداروں کی قبروں کو ہی ذریعہ شرک بنالیا۔

نیکی اور نیکوکاری سے محبت رکھنا ایک مومن کے لیے قدرتی امر ہے اور ہمیں نیکوکاروں سے محبت ہونی ہی چاہیے لیکن یہاں بھی اس بنیادی شے کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ نیکی کی کوئی انتہا بھی انسان کو انسانیت کے درجے سے بلند کر کے الوہیت کے درجے میں داخل نہیں کرسکتی۔ مصلحین سے لازماً محبت ہونی چاہیے لیکن انہیں حاجت روا سمجھ لینا خود انہیں بزرگوں کے مشن کو ناکام بنانے میں مدد دینا ہے۔

کچھ دوسرے اسباب:

ایسے ہی شرک پھیلنے کے کچھ دوسرے اسباب بھی بتائے جاتے ہیں مثلاً انسان نے اپنے دورِ جہالت میں جس مظہرِ کائنات کو بھی ہیبت ناک یا طاقتور سمجھا اسے معبود مان لیا۔ چنانچہ جنوں کی پرستش کی گئی۔ چاند' سورج ' ستاروں کے آگے سر جھکائے گئے۔ سمندروں اور طوفانوں سے لرزہ براندام ہوا گیا۔ طاقت اور ہیبت کے علاوہ جن مخلوقات کو زیادہ مفید پایا گیا۔ انہیں بھی دیوی دیوتا مان لیا گیا۔ مثلاً دنیا میں کئی اقوام نے گائے کو مقدس مانا۔ اوراب بھی وہ لوگ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں جو اسے ''ماتا'' قرار دیتے ہیں۔

شرک کی جو قسم بھی ہو اس کی تہہ میں جہالت ہی جہالت کار فرما ہوتی ہے۔ علم اور شرک کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ رسول مقبول ﷺ کے زیر تربیت رہنے کے باعث صحابہ کرام شرک کے بارے میں اتنے حساس ہو گئے تھے کہ اگر کسی معاملے میں ذرا سا بھی شک پڑ جاتا کہ آگے چل کر یہ چیز شرک کا باعث بن جائے گی تو اس کی بیخ کنی کر دیتے۔

حضرت عمرؓ کو اس بات کی اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اس درخت کے پاس آ کر بڑی عقیدت سے نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے حضورؐ نے اپنے صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔ یہ سن کر آپ غصے میں آ گئے لوگوں کو سخت سست کہا اور حکم دیا کہ اس درخت کو فوراً کاٹ دیا جائے۔ (ابن سعد)

عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اسے بوسہ دیا اور (اسے مخاطب کر کے) فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو نقصان دے سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ اگر میں نے رسول خدا ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔ (بخاری)

حضرت میمون بن مہران ایک عورت کے غلام تھے۔ آزاد ہونے پر وہ اپنے علم و فضل کی بناء پر بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے، آپ کو معصیت اور شرک میں مبتلا ہونا سخت ناگوار گزرتا تھا۔ لوگ آپ کی نیکوکاری کے باعث آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ ایک دن ایک چاہنے والے نے جوشِ محبت میں آ کر کہہ دیا:

''ابوایوب! حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو زندہ رکھے گا لوگ بھلائی پر قائم رہیں گے!''

حضرت میمون یہ بات برداشت نہ کر سکے اور بول اٹھے: ''یہ بڑی غلط بات ہے حقیقت یہ ہے کہ لوگ اس وقت تک بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک اپنے

پروردگار سے ڈرتے رہیں گے۔''

حضرت میمون فرمایا کرتے تھے کہ توحید اس وقت تک توحید نہیں جب تک انسان شرک کی کامل نفی کر کے اس سے واقعی بے نیاز نہ ہو جائے۔

شرک ربِ غفور کی غیرت کے لیے ایک چیلنج ہے۔ ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک بزرگ کی مجلس میں ایک خاتون نقاب اوڑھے آئیں اور ان سے عرض کیا کہ میرا شوہر دوسری شادی کرنے کے درپے ہے۔ آپ اسے ایسا کرنے سے روکیں۔ بزرگ نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ''بی بی! میں بھلا اسے کیسے روک سکتا ہوں'' خاتون نے کہا: حضرت! اگر میں اپنا نقاب اٹھا کر آپ کو اپنی صورت دکھا سکوں تو آپ مان جائیں کہ میں اپنے مطالبے میں حق بجانب ہوں' بزرگ نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' خاتون نے کہا: ''میں اس قدر خوبصورت ہوں کہ مجھ جیسی حسین عورت کا کوئی شریک نہیں ہونا چاہیے۔''

بزرگ یہ سن کر شدتِ تاثر سے بے ہوش ہو گئے۔ جب وہ ہوش میں آئے تو لوگوں نے اس طرح بے حال ہونے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب اس خاتون نے کہا کہ میں اس قدر خوبصورت عورت ہوں کہ مجھ جیسی عورت کا کوئی شریک نہیں ہونا چاہیے' تو مجھے نیلے آسمان کے درے سے ایک آواز یہ کہتی ہوئی محسوس ہوئی کہ:

''ذرا اس عورت کو دیکھو کہ محض اس لیے کہ ہم نے اسے کچھ حسن عطا کر دیا ہے۔ یہ شریک گوارا نہیں کرتی۔ اگر یہ معمولی حسن کی مالک ہوتے ہوئے بھی شریک سے اس درجہ متنفر ہے تو پھر ہم جو حسن کے خالق ہیں آخر ہم شریک کو کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟''

☆......☆......☆

اللہ سے اور اللہ کے لیے محبت

یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت انسانی محبتوں کی نفی نہیں کرتی بلکہ ان کے لیے ایک مقصد معین کر کے انہیں زیادہ پائیدار بناتی اور افراط وتفریط سے بچاتی ہے۔ رسول مقبول ﷺ کی کئی احادیث اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ جو انسان کسی دوسرے انسان سے صرف خدا کے لیے محبت کرتا ہے وہ خدا کی رضا سے سرفراز ہوتا ہے۔ جب ایک انسان دوسرے انسان کو صرف خدا کی خوشنودی کے لیے چاہے گا تو ظاہر ہے کہ وہ غلط قسم کے انسان کو کبھی نہیں چاہے گا۔ ایسے ہی جب کسی انسان کو چاہت دینے سے مراد رضائے الٰہی ہی ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ چاہت انسان پرستی کی حد تک کبھی نہیں پہنچے گی۔ کسی انسان کو صرف اسی کی خاطر چاہنے میں اور انسان کو خدا کی خاطر چاہنے میں زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ احادیث واضح کرتی ہیں کہ انسان کو خدا کی خاطر چاہنا ایک عظیم نیکی ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک بدو نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ (میری تیاری یہ ہے کہ میرے دل میں)

خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت (ہے) حضورؐ نے فرمایا کہ تو (قیامت کے دن) انہیں کے ساتھ ہوگا۔ جن سے تجھے محبت ہے۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت ابیؓ (بن کعب) سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سناؤں۔ حضرت ابیؓ نے عرض کیا کہ کیا خدا تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں اس پر حضرت ابیؓ رونے لگے۔ (بخاری)

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. سورة اَلْبَيِّنَة کی پہلی آیت کے ابتدائی الفاظ ہیں۔ حضرت ابیؓ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت تھی اور اس کی عظمت کا اتنا گہرا احساس تھا کہ جب انہیں پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام لیا ہے تو خوشی اور تاثر کی بے پناہ شدت کے باعث وہ رو پڑے۔

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ افضل ترین عمل یہ ہے کہ خدا ہی کے لیے دوستی رکھی جائے اور خدا ہی کے لیے دشمنی رکھی جائے۔ (ابوداؤد)

یعنی کسی سے محبت کی جائے تو اسی لیے کی جائے کہ اس سے محبت کرنا خدا کو پسند ہے مثلاً رسول خدا ﷺ سے محبت کرنا، صحابہ کرامؓ سے محبت کرنا، نیک لوگوں سے محبت کرنا، والدین سے محبت کرنا، رشتے داروں سے محبت کرنا، ہمسایوں سے محبت کرنا، مسلمان بھائیوں سے محبت کرنا وغیرہ اور ایسے ہی کسی سے نفرت ہو تو کسی ذاتی غرض کے لئے نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ اس سے نفرت کرنا خدا کو پسند ہے۔ مثلاً اس مشرک سے نفرت کرنا جو سمجھانے بجھانے کے باوجود شرک سے باز نہیں آتا۔ اس ظالم سے نفرت کرنا جو سمجھانے بجھانے کے باوجود ظلم کرنے سے نہیں رکتا۔ اس بدزبان سے نفرت کرنا

جو سمجھانے بجھانے کے باوجود ہر ایک کا دل دکھاتا اور ہر ایک کی عزت اتارتا ہے۔ وغیرہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بزرگی اور عظمت کے خیال سے ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔ آج کے دن جب کہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرنے کے لئے کسی دوسری بستی میں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو چوکیدار مقرر کر دیا۔ جب وہ اس کے پاس آیا تو فرشتے نے پوچھا کہ تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس بستی میں اپنے ایک بھائی کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ کیا اس پر تو نے کوئی احسان کیا ہے جس کی تکمیل مقصود ہے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ میں اللہ عز و جل کی خاطر اس سے محبت رکھتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ میں اللہ کا قاصد ہوں۔ (اور) تمہاری طرف (اس لیے آیا ہوں کہ تمہیں بتا دوں) کہ جس طرح تو اللہ کی خاطر (اپنے) اس (بھائی) سے محبت رکھتا ہے اسی طرح اللہ بھی تجھ سے محبت رکھتا ہے۔ (مسلم)

ابو ادریس خولانیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو میری نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کے دانت خوبصورت چمکدار تھے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے۔ اور اس کی رائے پر عمل کرتے، میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ (حضرت) معاذؓ بن جبل (صحابی) ہیں۔ جب اگلا دن ہوا تو میں سویرے ہی (مسجد میں) جا پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے آ چکے تھے اور نماز پڑھ رہے

تھے، میں انتظار میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی نماز ختم کرلی۔ پھر میں ان کے سامنے سے ان کے پاس آیا اور انہیں سلام کیا اور کہا:

''خدا کی قسم میں آپ سے محبت رکھتا ہوں۔''

انہوں نے فرمایا: ''کیا خدا کے لیے؟''

میں نے عرض کیا: ''ہاں خدا کے لیے''

انہوں نے پھر فرمایا: ''کیا خدا کے لیے؟''

میں نے عرض کیا: ''ہاں خدا کے لیے''

انہوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑا۔ اور مجھے اپنی طرف کھینچا۔ پھر فرمایا: خوش خبری حاصل کرو۔ بے شک میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

جو لوگ میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور میرے لیے مال خرچ کرتے ہیں، ان سے محبت کرنا میرے لیے واجب ہے۔ (موطا)

غور کریں تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان کو خدا کے لئے چاہنا درحقیقت خدا ہی کو چاہنا ہے جس کی فضیلت پر قرآن و حدیث گواہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ: اور ایمان والے تو اللہ کو شدت سے چاہتے ہیں!

اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں نے بھی حبِ الٰہی کے متعلق بہت کچھ فرمایا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: ''مبارک ہے وہ شخص جس کے دل میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت نہ ہو اور وہ اس کے سوا کسی اور کا طالب نہ ہو۔ پس ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اگرچہ ظاہر میں خلق کے ساتھ مشغول ہے!''

خواجہ حسن بصریؒ سے کسی نے عرض کیا کہ ''مجھے نصیحت کیجئے!'' انہوں نے فرمایا: ''جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرو۔ اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے تمہاری تعظیم کرائے گا!''

جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسنؒ کا ارشاد ہے کہ:

''دل میں اگر محبت ہوگی تو محبت کا بوآب اور دربان شکوک کو اندر نہیں گھسنے دے گا۔'' اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ حجرے کے اندر کئی سوراخ ہیں۔ کہیں چوہے کا اور کہیں کنسلا ہزار پا کا۔ پھر تاریکی بھی ہو۔ اندریں حالات کس طرح ہر سوراخ کو بند کرے گا۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اس حجرے میں روشنی کر دی جائے۔ سب موذی جانور غائب ہو جائیں گے۔ اسی طرح اپنے گھر یعنی خانۂ قلب کو محبت الٰہی کی روشنی سے منور کیا جائے تو انشاء اللہ تمام قلبی امراض سے نجات مل جائے گی! آپ ہی کا ارشاد یہ بھی ہے کہ عظمت و محبت دو دربان ہیں جو شکوک و شبہات کو اندر نہیں آنے دیتے نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد کرنے سے محبتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ: ''حصولِ محبت کا طریقہ یہ ہے کہ ہر نیک عمل میں آدمی یہ نیت کرے کہ اس سے حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی۔ نیز کچھ وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی کرے......

آپ ہی کا یہ مقولہ بھی ہے کہ خوف اور محبت دو سڑکیں ہیں۔ سلوک الی اللہ کی طرف۔ نیز فرمایا کہ:

''معصیت کر کے انسان اپنا ہی نقصان کرتا ہے، انسان کے نقصان پر خفا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت پائی جاتی ہے اور رحمت کی سوچ و فکر سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت سے عمل کی توفیق ہوتی ہے اور عمل سے قرب اور رضائے حق جیسی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب محبت ہوتی ہے تو محبوب کے کوچے سے اس کے کتے سے اس کی دیواروں سے بھی محبت ہوتی ہے۔

سید علی ہجویریؒ کا ارشاد ہے کہ جتنی محبت قوی ہوتی ہے' اسی قدر اطاعت کا حق ادا کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جو دل خدا کی محبت سے غنی ہو' دنیا کا نہ ہونا اسے محتاج نہیں کرتا اور نہ اس کے ہونے سے وہ خوش ہوتا ہے۔

یحییٰ بن معاذؒ صوفی کا فرمان ہے: ''تو جس قدر خدا سے ڈرے گا' خلق اس قدر تجھ سے ڈرے گی اور تو جس قدر اللہ میں مشغول رہے گا خلق اسی قدر تجھ میں (یعنی تیری خدمت میں) مشغول رہے گی۔''

انہیں کا یہ قول بھی ہے کہ: ''جو شخص اللہ کی خدمت کر کے خوش ہوتا ہے' خلق اس کی خدمت کر کے خوش ہوتی ہے!''

سید علی ہجویریؒ کا ایک اور فرمان ہے کہ: ''ہر شخص کی قیمت معرفتِ الٰہی سے ہوتی ہے جس کو معرفت الٰہی حاصل نہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں!''

ابو علی جرجانیؒ فرماتے ہیں کہ: ''اے شخص! اپنا دل اپنے خالق کو دے اور اپنا جسم مخلوق کی خدمت کے لئے وقف کر!''

مولانا رومؒ حبِ الٰہی کو دل کی تمام بیماریوں کا علاج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما

اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

☆......☆......☆

خشیتِ الٰہی

انسان جن وجوہ کے باعث کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے ان میں دو وجہیں خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہیں۔ ایک محبت اور دوسرے خوف یعنی یا تو انسان کے دل میں اس شخص کے لیے محبت ہوتی ہے اور اس محبت کے باعث وہ خوشی سے اس کی بات مانتا ہے' یا پھر دل میں اس کا خوف اور رعب اتنا ہوتا ہے کہ اس خوف اور رعب کے باعث اس کے احکام کی تعمیل کی جاتی ہے۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے لفظ اسلام کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ لہٰذا پورا پورا مطیع اور فرمانبردار بندہ بننے کے لئے ضروری ہے کہ محبت اور خوف دونوں جذبوں سے پورا پورا کام لیا جائے۔ یعنی بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھی کما حقہ معمور رہے اور اس کے ساتھ ہی اس میں خدا کا خوف بھی پورے طور پر موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کو چاہنے والوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے محبت بھرے دل محبوب کے خوف سے پوری طرح بھرپور رہتے تھے۔

صحابہ کرام سے زیادہ خدا کی محبت، کن لوگوں میں ہو سکتی ہے لیکن ان پاکبازوں کی خشیت کا یہ عالم تھا کہ جب رسول ﷺ کے خطبات اور مواعظ سنتے یا

قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور کوئی خشیتِ الٰہی کا موقع آجاتا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔

ایک دفعہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں' اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے بہت زیادہ تو تمام صحابہ بے اختیار رونے لگے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ جب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے۔

''کیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے' ابھی وہ وقت نہیں کہ خدا کے ذکر پر ان کے دل پگھلیں۔'' (الحدید:١٦)

تو بے اختیار رو پڑتے اور دیر تک روتے رہتے تھے۔

صحابہؓ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ خاص طور پر رقیق القلب تھے۔ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو رونے لگتے۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انسانوں کو اپنا خوف یاد دلایا ہے سورۃ آل عمران آیت ۳۰ میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر شفقت فرمانے والا ہے۔''

سورۃ بقرہ میں فرمایا ہے:

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے!''

(بقرہ:۲۰۳)

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو۔'' (بقرہ:۲۲۳)

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔'' (بقرہ:۲۳۱)

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ دیکھتا ہے۔'' (بقرہ:۲۳۳)

سورۃ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے:

- ''اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب (دینے) والا ہے۔ (مائدہ:۲)
- ''اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' (مائدہ،:۴)
- ''اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جانتا ہے جو سینوں میں ہے۔'' (مائدہ:۷)
- ''اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے عملوں کی خبر رکھنے والا ہے۔'' (مائدہ:۸)
- ''اور اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔'' (مائدہ:۱۱)
- ''اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اور اللہ نافرمانی کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

(مائدہ:۱۰۸)

- ''اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔'' (مائدہ:۸۸)

یہ تو چند آیات ہیں۔ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ جگہ جگہ انسانوں کو اپنے آپ سے ڈراتا ہے تاکہ وہ پاک اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کر کے دنیا میں بھی سکھی رہیں۔ اور آخرت میں بھی!

کلام پاک کے علاوہ جب حضورؐ کے مواعظ اور نصائح کو دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ہمیں بار بار خشیتِ الٰہی کا درس ملتا ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس شخص نے کسی دن مجھے یاد کیا یا کسی جگہ مجھ سے ڈرا اسے دوزخ سے نکال لو۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے خوف کیا وہ اول رات چلا اور جو اول رات چلا وہ منزل پر پہنچ گیا۔ آگاہ رہو کہ اللہ کا سازوسامان گراں قیمت ہے آگاہ رہو کہ اللہ کا سازوسامان جنت ہے۔ (ترمذی)

یہاں ایک ایسے مسافر کی مثال بیان کی گئی ہے جو جانتا ہے کہ جہاں میں ٹھہرا ہوں، وہاں رات کے آخری حصے میں دشمن مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ لہٰذا وہ رات کے پہلے حصے ہی میں وہاں سے چل پڑتا ہے اور حفاظت سے اپنی منزل پر جا پہنچتا ہے۔ ایسے ہی جس انسان کے دل میں خدا کا خوف ہوگا۔ اور وہ آخرت کی سزا سے ڈرتا ہوگا وہ زندگی میں جلد ہی آخرت کی تیاری شروع کر دے گا اور آخر بخیریت اپنی منزل یعنی بہشت میں جا پہنچے گا۔ حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے کہ آگاہ رہو کہ خدا کا ساز و سامان گراں قیمت ہے تو خدا کے ساز و سامان سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں اور ان کا گراں قیمت ہونا یہ ہے کہ وہ آسانی سے نہیں ملتیں بلکہ انہیں حاصل کرنے کے لیے بڑے صبر اور ہمت سے نیکی کے لیے مسلسل جد و جہد کرنی پڑتی ہے تب انسان بہشت اور اس کے دائمی امن و سکون کا مستحق ہوتا ہے۔

خشیتِ الٰہی کے معاملے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے دلوں میں واقعی خدا کا خوف ہوتا ہے ان کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ کوئی خرابی کریں تبھی خدا سے ڈریں' بلکہ وہ نیکیاں کرتے ہوئے بھی لرزاں و ترساں رہتے ہیں کہ خدا معلوم ہمارے یہ اعمال اللہ کے حضور میں مقبول بھی ہیں یا نہیں۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا یہاں تک کہ وہ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ جب وہ باغ کے اندر تھے اور میرے اور ان کے درمیان دیوار حائل تھی تو میں نے انہیں فرماتے سنا ''عمرؓ بن خطاب'' امیر المومنین! واہ واہ اے خطاب کے بیٹے' تجھے لازماً خدا سے ڈرنا ہوگا' ورنہ وہ ضرور تجھ پر عذاب کرے گا۔'' (موطا)

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دو قطروں

اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کو کوئی اور شے نہیں ہے (ایک وہ) آنسو کا قطرہ جو خدا کے خوف کے باعث ٹپکے اور (دوسرے وہ) خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے اور دو نشانوں میں ایک وہ نشان جو خدا کی راہ میں (جدوجہد کرنے سے) رہ جائے (مثلاً جہاد میں زخم لگا اور اس کا نشان رہ گیا وغیرہ) اور (دوسرے) وہ نشان جو اللہ کے (عائد کردہ) فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرنے کے باعث ظاہر ہوا ہو (مثلاً نمازیں پڑھنے سے ماتھے پر سجدوں کا نشان پڑ جانا وغیرہ)۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو (فرشتوں کے دلوں پر خوف اور رعب طاری ہو جاتا ہے اور) فرشتے اس قول کی فرمانبرداری میں بڑے خشوع و خضوع سے اپنے بازو مارتے ہیں۔

گویا وہ (کلمات) چٹان پر زنجیر (کی طرح پڑتے) ہیں۔ پھر جب ان کے دلوں سے خوف دور ہوتا ہے تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ اس پر (بلند مرتبہ فرشتے) جواب دیتے ہیں کہ اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بلند و برتر ہے۔ حضورؐ نے (یہ بھی) فرمایا کہ اس وقت شیاطین (فرشتوں کی اس باہمی گفتگو کو چوری چوری سننے کے لئے) اس طرح ہوتے ہیں کہ ایک کے اوپر دوسرا۔ (ترمذی)

اس حدیث میں جو بات واضح فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ عالم بالا کے رہنے والوں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور رعب اس قدر زیادہ ہوتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتے ہیں تو ان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ خشوع و خضوع سے اپنے بازو مارنے لگتے ہیں پھر یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "گویا وہ (کلمات) چٹان پر زنجیر (کی طرح پڑتے) ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کلمات فرشتوں کو سنائی دیتے

ہیں، ان کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے چٹانوں پر لوہے کی زنجیر پڑنے کی آواز۔ رسول خدا ﷺ نے بھی اپنے آپ پر وحی نازل ہونے کے سلسلے میں بتایا ہے کہ حضور کو گھنٹیاں سی بجنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ حدیث کے آخر میں شیطانوں کے متعلق جو فرمایا ہے کہ وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے ایک کے اوپر دوسرا، تو اس کا مطلب سمجھنے کے لیے سورۃ الحجر کی آیات ۱۶ تا ۱۸ کا ترجمہ اور تشریح دیکھنی چاہیے۔ وہ ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ہم نے آسمان میں برج بنائے اور انہیں دیکھنے والوں کے لیے (ستاروں سے) آراستہ کیا اور ہر شیطان مردود سے انہیں محفوظ کر دیا۔ (کوئی شیطان ان میں راہ نہیں پا سکتا) الا یہ کہ کچھ سن گن لے لے۔ اور جب وہ سن گن لینے کی کوشش کرتا ہے تو ایک شعلہ روشن اس کا پیچھا کرتا ہے۔''

ان آیات کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں یعنی جادوگروں' نجومیوں' کاہنوں وغیرہ کو غیب کی خبریں لا کر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے پاس غیب جاننے کا کوئی ذریعہ تو ہوتا نہیں، تاہم وہ عالم بالا کی خبروں کی سن گن لینے کی کوشش ضرور کرتے ہیں تو جب وہ سن گن لینے کے لئے قریب ہوتے ہیں تو انہیں ایک روشن شعلہ مار کر پیچھے ہٹا دیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا حدیث کے آخر میں یہی بات بیان فرمائی گئی ہے کہ شیاطین عالمِ بالا کی یہ گفتگو سننے کے لئے قریب آ جاتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے جمع ہو جاتے ہیں گویا ایک کے اوپر دوسرا ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہیں جن پر خدا تعالیٰ (اپنی رحمت کا) سایہ ڈالتا ہے۔ (ان میں) ایک وہ شخص ہے جو خدا کا ذکر کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب (تیز) ہوا اور اَبر کا دن ہوتا تو (رسول خدا ﷺ پریشان ہو جاتے اور) اس کا اثر آپؐ کے چہرے سے پہچانا جاتا۔ آپؐ (اضطراب میں کبھی) آگے بڑھتے اور (کبھی) پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی تو آپؐ خوش ہو جاتے اور وہ (پریشانی کا اثر) آپؐ (کے چہرۂ مبارک) سے دور ہو جاتا۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے (اس کے بارے میں) پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے خوف آتا ہے کہ کہیں یہ (آندھی اور اَبر) کوئی عذاب نہ ہو جو میری امت پر مسلط کیا جانا ہو۔ (حضرت عائشہؓ یہ بھی بتاتی ہیں کہ) جب آپؐ بارش کو دیکھتے تو فرماتے (کہ یہ) رحمت (ہے)۔ (مسلم)

صحیح بخاری میں ایک بڑی ہی دلپذیر روایت بیان ہوئی ہے جس سے ایک طرف تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندوں پر کس درجہ مہربان اور شفقت فرمانے والا ہے۔ اور دوسری طرف خشیتِ الٰہی رکھنے والے دلوں کی فضیلت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی۔ جب وہ مرنے لگا تو اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ (جب میں مر جاؤں تو تم) مجھے جلا دینا اور پھر (جلنے سے جو میری راکھ بنے گی) اس میں سے نصف کو خشکی میں اور نصف کو سمندر میں بکھیر دینا (تاکہ میرا نشان بھی باقی نہ رہے کیونکہ میں اتنا گنہگار ہوں کہ) خدا کی قسم اگر خدا نے مجھ پر قابو پا لیا تو وہ مجھے وہ عذاب دے گا جو دنیا والوں میں سے (اور) کسی کو نہیں دے گا (پھر) جب وہ شخص مر گیا تو (اس کے گھر کے) لوگوں نے ویسے ہی کیا جیسا کرنے کا اس نے انہیں حکم دیا تھا۔ (یعنی اسے جلا کر اس کی راکھ خشکی اور سمندر میں بکھیر دی) پھر اللہ تعالیٰ نے خشکی کو

حکم فرمایا تو اس نے (اس شخص کی راکھ میں سے) جو کچھ اس میں تھا اسے جمع کر دیا اور خدا نے سمندر کو حکم فرمایا تو اس نے (بھی اس شخص کی راکھ میں سے) جو کچھ اس میں تھا اسے جمع کر دیا۔ (اور وہ شخص مکمل ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گیا) پھر خدا نے (اسے) فرمایا کہ (بتا) تو نے ایسے کیوں کیا تھا (یعنی یہ حکم کیوں دیا تھا کہ میری لاش کو جلا کر راکھ بکھیر دی جائے) اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ (میں نے) آپ کے خوف کے باعث (ایسے کیا تھا۔ اتنی بات بیان کر کے پھر حضورؐ فرماتے ہیں کہ) پھر خدا تعالیٰ نے (اس کے دل میں پیدا ہونے والے اس خوف کے باعث) اسے معاف فرما دیا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ وفات پا رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، میں اللہ سے (مغفرت کی) امید رکھتا ہوں اور (ساتھ ہی) اپنے گناہوں سے ڈرتا (بھی) ہوں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اس قسم کے موقع پر جب کسی بندے کے دل میں یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں (یعنی امید بھی اور خوف بھی) تو اللہ تعالیٰ اسے وہ شے عطا فرما دیتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے (یعنی بخشش) اور اس شے سے امن دیتا ہے جس سے وہ ڈر رہا ہوتا ہے (یعنی گناہوں کی سزا)۔ (ابن ماجہ)

دلوں میں اللہ کا خوف ہونا۔ یا نہ ہونا علامت ہے اس بات کی کہ دلوں میں ایمان مضبوط ہے یا کمزور۔ صحابہ کرامؓ چونکہ بہترین ایماندار لوگ تھے اس لیے ان کے دلوں میں خدا کا خوف بھی بہت گہرا تھا۔

رسول خدا کی وفات کے بعد حضرت انسؓ نے اپنے زمانے کے لوگوں سے فرمایا:

''تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمہاری نگاہوں میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک ہیں۔ (یعنی بہت ہی حقیر اور ہلکے ہیں) مگر ہم رسول خدا کے زمانے میں انہیں مہلکات میں شمار کرتے تھے۔

بنی نوع انسان کے غم والم، دکھوں، بے چینیوں اور قلبی اور جسمانی اذیتوں کا بہت بڑا حصہ ان برائیوں کے نتیجے کے طور پر ہوتا ہے جن کا انسان ارتکاب کرتے ہیں۔ چور کے چوری کرنے سے، ڈاکو کے ڈاکہ ڈالنے سے، قاتل کے قتل کرنے سے، ہمسائے کے ہمسائے کو ستانے سے، رشتے دار کے رشتے داروں سے عداوت، کینہ اور دشمنی رکھنے سے، بدکردار انسانوں کی بدکرداریوں سے اور غداروں کے ملک وملت کے ساتھ غداری کرنے سے...... سینکڑوں ہزاروں، لاکھوں، بلکہ کروڑوں لوگ متاثر ہوتے اور طرح طرح کی جسمانی، ذہنی اور قلبی اذیتوں اور رسوائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کوئی اپنا سرمایا کھو بیٹھتا ہے کوئی گھر سے بے گھر ہو جاتا ہے، کوئی فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کسی کا جینا اجیرن ہو جاتا ہے۔ کوئی مستقل اعصابی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بے شمار ایسے ہیں جو غم والم کی تاب نہ لاتے ہوئے پاگل ہو جاتے ہیں۔ ان گنت ایسے ہیں جو اپنی عزت وآبرو سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور کروڑوں کی آبادیاں رکھنے والی قومیں صدیوں کے لیے غلامی اور رسوائی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

انسانیت کے سینے پر یہ گھاؤ خود انسان ہی کے ہاتھوں پڑتے ہیں اور اسی لیے پڑتے ہیں کہ انسانوں کے دلوں میں خدا کا خوف موجود نہیں ہوتا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس تناسب سے انسانوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اسی تناسب سے یہ اذیتیں اور کلفتیں کم ہوتی جاتی ہیں اور جس تناسب سے ان کے دل سے خدا کا خوف نکلتا جاتا ہے۔ اسی تناسب سے ان کے مصائب اور رسوائیوں میں اضافہ

ہوتا جاتا ہے۔

خوف خدا کے بارے میں ایک بہت ضروری بات یہ ہے کہ یہ خوف ٹھیک اسی قسم کا خوف ہو جو انبیائے کرام اور مصلحین کے دلوں میں تھا یعنی دلوں میں امید اور خوف دونوں کے درمیان اعتدال رہے۔ خوف کی وہ انتہا جو بخشش کی امید کو بالکل ختم کر دے ہرگز مطلوب نہیں! یہ خوف مریضانہ ہے۔ مومن کے دل کا خوف مریضانہ نہیں۔ صحت مندانہ ہوتا ہے، وہ خدا کے خوف کے باعث گناہوں سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسے خدا کی رحمت پر بھی بھروسہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ:

اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے)۔

حضرت عمرؓ کا مندرجہ ذیل بیان اسی خوف اور اعتدال کی ٹھیک ٹھیک عکاسی کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر خدا تعالیٰ کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے صرف ایک آدمی جنت میں جائے گا۔ تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ آدمی میں ہوں گا۔ اور اگر یہ فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا۔ تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص کہیں میں ہی نہ ہوں!

ذیل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کچھ ارشادات نقل کئے جا رہے ہیں جن میں انہوں نے اللہ سے ڈرتے رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

- ''جو شخص خدا سے ڈرتا ہے خدا اس کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔''
- ''جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس کو وہاں سے فائدہ پہنچتا ہے جہاں اس کا

وہم وگمان بھی نہیں جاتا۔''

○ ''جوانسان اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے قصور بھی معاف فرماتا ہے اور اسے اچھا انعام بھی دیتا ہے۔''

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''یقیناً انسانوں کے لئے یہ بہترین کام ہے کہ وہ ایک دوسرے کو خوفِ خدا کی تلقین کرتے رہیں۔''

☆......☆......☆

رضائے الٰہی

حضرت ابن نجیدؒ بہت بڑے عالم گزرے ہیں۔ آپ بہت نیکوکار اور عبادت گزار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دولت اور ثروت بھی دے رکھی تھی جو کثرت سے راہ خدا میں صرف ہوتی رہتی تھی۔

حضرت ابن نجیدؒ کے استاد کا نام ابوعثمانؒ تھا۔ ایک دفعہ ابوعثمانؒ نے سرحد پر لڑنے والے مجاہدوں کے لئے چندے کی اپیل کی۔ اپیل کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور بہت کم چندہ ہوا۔ ایک دن جب بہت سے لوگ ابوعثمانؒ کے پاس بیٹھے تھے۔ ابوعثمانؒ مجاہدین کی بھوک پیاس اور تکالیف کو یاد کر کے زور زور سے رونے لگے۔ ابن نجیدؒ پر بہت اثر ہوا۔ اور گھر سے دو ہزار کی تھیلی لا کر مجاہدین کے لیے نذر کر دی۔ ابوعثمانؒ بہت خوش ہوئے اور سب کے سامنے ابن نجیدؒ کی تعریف کی تاکہ دوسرے لوگوں میں بھی اس نیکی کا شوق پیدا ہو۔

ابن نجیدؒ نے جب لوگوں کے سامنے اپنی تعریف ہوتی دیکھی تو سب کے سامنے اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں یہ رقم اپنی والدہ کے مشورہ کے بغیر لے

آیا ہوں۔ پتہ نہیں وہ اتنی بڑی رقم دینے کے لیے آمادہ بھی ہوں یا نہ۔ آپ یہ رقم مجھے واپس کر دیجئے۔ ابو عثمانؒ نے چپ چاپ رقم واپس کر دی اور ابن نجیدؒ سب کے سامنے یہ رقم لے کر واپس گھر چلے گئے۔

جب رات ہوگئی اور ابن نجیدؒ نے سمجھا کہ اب ابو عثمانؒ اکیلے ہوں گے تو تھیلی اٹھا کر پھر پہنچے اور رقم استاد کے حوالے کر کے کہا کہ: ''حضرت! میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے اس عمل کی خبر لوگوں کو ہو۔ میں لوگوں کی تعریف سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی خوشنودی چاہتا ہوں۔ اس لیے آپ خدا کے لیے کسی کو اس کی خبر نہ کریں۔

حبِ الٰہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جو بھی نیکی کی جائے صرف محبوب کی خوشنودی کو مدِ نظر رکھ کر کی جائے اس کے سوا کسی اور کی خوشنودی مقصود نہ ہو۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اور جو کوئی خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا فرمائیں گے!'' (سورہ نساء: ۱۱۴)

نیکی درحقیقت نام ہی اس عمل کا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیا جائے جس عمل سے خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی یا اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی واہ واہ مراد ہو وہ درحقیقت نیکی ہے ہی نہیں۔

شفی اَصبحی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو ایک صاحب کو دیکھا جن کے ارد گرد لوگ جمع تھے۔ میں نے کہا یہ کون ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں پس میں ان کے قریب ہوگیا۔ یہاں تک کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں کو حدیث سنا رہے تھے۔ پھر جب وہ خاموش ہوگئے اور (لوگوں کے چلے جانے کے باعث) تنہا رہ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے درخواست کرتا

ہوں کہ مجھے ٹھیک ٹھیک وہ حدیث بتایئے جو آپ نے رسول خدا ﷺ سے (خود) سنی ہو اور جسے آپ نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہو اور جان لیا ہو۔ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ (ایسے ہی) کرتا ہوں۔ میں ضرور تمہیں وہ حدیث بتاؤں گا۔ جو رسول خدا ﷺ نے مجھے بتائی تھی اور جسے میں نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور جان لیا ہے۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے (شدتِ تاثر سے) زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے اور کچھ دیر اسی طرح رہے۔ پھر افاقہ ہوا تو اپنا چہرہ پونچھا اور فرمایا میں (ایسے ہی) کرتا ہوں۔ میں ضرور ہی تمہیں وہ حدیث بتاؤں جو رسول خدا ﷺ نے مجھے بتائی تھی جب میں اور حضورؐ اپنے گھر میں تھے اور میرے اور حضورؐ کے سوا اور کوئی ہمارے ساتھ نہ تھا پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے (دوبارہ) زور سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے اور چہرے کے بل گرتے ہوئے جھک گئے۔ میں (نے) انہیں (سہارا دیا اور) اور دیر تک سہارا دیئے رہا پھر ہوش میں آئے تو کہا کہ رسول خدا ﷺ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف نزول فرمائیں گے۔ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہو گی پس سب سے پہلے شخص جسے اللہ تعالیٰ (حساب کے لیے) بلائے گا۔ ایک ایسا شخص ہو گا جس نے قرآن حفظ کیا ہو گا۔ اور ایک (دوسرا) شخص ہو گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا ہو گا۔ اور ایک (تیسرا) شخص ہو گا جو بہت مالدار ہو گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس قاری سے کہے گا کہ کیا میں نے تمہیں اس (کتاب مقدس) کا علم نہیں دیا تھا۔ جو میں نے اپنے رسولؐ پر اتاری تھی۔ وہ کہے گا کہ کیوں نہیں اے میرے رب (تو نے مجھے اس کا علم عطا کیا تھا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر جو علم تو نے حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا تھا۔ وہ کہے گا کہ میں دن رات اس کی تلاوت کرتا تھا (یا اس پر عمل کرتا تھا) اس پر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ بولا اور فرشتے بھی اسے کہیں گے کہ تو نے

جھوٹ بولا۔ اور اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ بلکہ (قرآن پڑھنے سے) تیرا مقصد تو یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص قاری ہے' چنانچہ ایسا کہہ دیا گیا۔ اور (پھر) کثیر دولت والے کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے کثرت سے دولت نہیں دی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہیں چھوڑا تھا۔ وہ عرض کرے گا کہ کیوں نہیں اے میرے رب (تو نے مجھے کثیر مال دیا تھا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر جو کچھ میں نے تمہیں دیا تھا۔ اس سے تو نے کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ میں رشتے داروں سے حسن سلوک کرتا تھا اور خیرات کرتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ بولا۔ اور فرشتے بھی اسے کہیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا۔ اور اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ بلکہ تیرا مقصد تو یہ تھا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص سخی ہے اور ایسا کہہ دیا گیا اور (پھر) وہ شخص لایا جائے گا۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ تو کس لیے قتل ہوا تھا۔ وہ عرض کرے گا کہ آپ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ پس میں لڑا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نے جھوٹ بولا اور فرشتے بھی ا۔ کہیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بلکہ تیرا مقصد تو یہ تھا کہ کہا جائے کہ فلاں بڑا بہادر ہے' پس ایسا کہہ دیا گیا۔ پھر رسول خدا ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ اللہ کی مخلوقات میں سے سب سے پہلے انہیں تین شخصوں سے قیامت کے دن دوزخ کو بڑھکایا جائے گا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ قرآن کا علم حاصل کرنا اور اسے پڑھنا اور خدا کی راہ میں خیرات کرنا اور اللہ کی راہ میں جان دے دینا بہت بڑے بڑے اعمال ہیں تاہم انہیں بھی اگر اس نیت سے کیا جائے گا کہ لوگ تعریف کریں تو یہ بھی خدا کے ہاں بالکل بے وزن ہوں گے جن تین اشخاص کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان کا مقصد خدا کی رضا

حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ قاری، سخی اور بہادر کہلانا تھا۔ چنانچہ جوان کا مقصد تھا وہ پورا ہو گیا اور انہیں قاری اور سخی اور بہادر کہہ دیا گیا۔ اس کے بعد آخرت میں نہ صرف یہ کہ انہیں اپنے ان بظاہر صالح اعمال کا اجر نہیں ملے گا بلکہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق قیامت کے دن سب سے پہلے انہیں سے دوزخ کو بڑھکایا جائے گا۔ اس حدیث سے یہ بات بالکل صاف اور واضح ہو جاتی ہے کہ اصل شے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اگر کسی نیک عمل سے خدا کی خوشنودی مراد نہیں ہے تو وہ نیکی نہیں بلکہ ریا کاری ہے اور ریا کار کی خدا اور خدا کے رسولؐ دونوں نے سخت مذمت کی ہے۔

درحقیقت اللہ کے سوا کسی اور کی خوشنودی کو مقصود بنانا ہے ہی نادانی کی بات۔ زندگی میں کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی اپنے ہی جیسے انسان کی خوشنودی چاہنے کے لئے بڑے بڑے پاپڑ بیلے جاتے ہیں مگر وہ شخص حسن سلوک کا جواب حسن سلوک سے دینے کے بجائے الٹا نیت پر شک کرنے لگتا ہے یا کسی وقت ذرا سی کمی ہو جانے پر سب اگلے پچھلے احسانات بھلا کر بدسلوکی پر اتر آتا ہے اس لحاظ سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے درحقیقت انسان پر بہت بڑا انعام فرمایا ہے کہ اسے احسان فراموش اور طوطا چشم انسانوں کی خوشنودی کا پابند نہیں بنایا بلکہ پانی رضا کا پابند بنایا ہے اور اس کا تو عالم یہ ہے کہ وہ شاکر اور حلیم ہے۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے تعریف کے ساتھ ان انسانوں کا ذکر کیا ہے جو خدا کی خوشنودی کے حصول کو پیشِ نظر رکھے رہتے ہیں۔

سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۰۷ میں ارشاد ہوا ہے:

''اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی جان (بھی) دے دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر بڑی ہی شفقت رکھتا ہے۔''

سورہ الکہف آیت ۲۸ میں فرمایا گیا ہے۔

''اور (اے نبیؐ) اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کیجئے جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیریئے۔''

سورہ الدھر آیت ۹ میں نیکو کاروں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ جن لوگوں کو وہ فی سبیل اللہ کھانا کھلاتے ہیں' انہیں مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:

''ہم تم کو صرف خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے کھلاتے ہیں۔ ہم کو تم سے نہ کچھ بدلہ درکار ہے اور نہ شکر گزاری۔''

سورہ الانعام آیت ۱۶۲ میں رسول مقبول ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

''(اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ میری نماز' اور میری قربانی' اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے۔ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا)''

حضرت عمرؓ بن خطاب نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو! اعمال تو نیت پر منحصر ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہجرت کی۔ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کے لیے (شمار) ہوگی اور جس نے دنیا (کا کوئی فائدہ حاصل کرنے) کے لیے ہجرت کی تا کہ اسے پالے یا کسی عورت کے لئے کی تا کہ اس سے شادی کر لے تو (اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے نہیں شمار ہوگی بلکہ) اس کی ہجرت اسی شے کے لیے (شمار) ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ (بخاری)

حضرت شداد بن ہاد بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی عرب رسول خدا ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ؐ پر ایمان لایا اور آپ ؐ کے ساتھ ہولیا۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میں آپ ؐ کے ساتھ ہجرت کروں گا (یعنی ہجرت کر کے آپ ؐ کے پاس آجاؤں گا) پس رسول خدا ﷺ نے اپنے بعض صحابہؓ کو اس کے بارے میں وصیت کی۔ پھر جب کوئی غزوہ ہوا تو رسول خدا ﷺ نے مالِ غنیمت حاصل کیا اور اسے تقسیم کیا تو اس دیہاتی کا حصہ بھی لگایا۔ اور وہ حصہ اپنے صحابہؓ کو دے دیا (کہ جب وہ آئے تو اسے دے دیں' کیونکہ) وہ دیہاتی صحابہؓ کے اونٹ چرایا کرتا تھا (اور اس وقت اونٹ چرانے گیا ہوا تھا) پھر جب وہ آیا تو صحابہؓ نے اسے وہ حصہ دیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ کیا ہے۔ صحابہؓ نے بتایا کہ یہ تمہارا حصہ ہے جو رسول خدا ﷺ نے تمہیں دیا ہے وہ اس حصے کو لے کر رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ یہ کیا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ میں نے تمہیں حصہ دیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں اس کے لیے آپ ؐ کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ میں تو آپ کے ساتھ اس لیے آیا تھا کہ مجھے اس جگہ تیر لگے اور میں مر جاؤں اور جنت میں داخل ہو جاؤں اور (جب اس نے کہا کہ مجھے اس جگہ تیر لگے تو) اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو خدا سے سچ بولتا ہے تو وہ بھی تجھے سچا کر دے گا۔ اس کے بعد صحابہؓ کچھ دیر ٹھہرے اور پھر دشمن کے ساتھ قتال کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ (اور لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کیا ہوا کہ) وہ شخص رسولِ خدا ﷺ کے پاس (اس حالت میں) اٹھا کہ لایا گیا کہ اسے اسی جگہ تیر لگا ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ رسولِ خدا ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ وہی شخص ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جی ہاں آپ ؐ نے فرمایا کہ اس نے خدا سے سچ بولا تو خدا نے بھی اسے سچا کر دیا۔ پھر رسول خدا ﷺ نے اسے اپنے جبہ مبارک کا کفن دیا اور اسے آگے رکھا اور اس پر نماز (جنازہ) پڑھی۔ آپ ؐ نے جو دعا کی اس میں سے جتنا لوگوں کو سنائی دیا۔ وہ یہ

تھا کہ اے خدا' یہ تیرا بندہ ہے۔ یہ تیری راہ میں ہجرت کر کے نکلا اور شہید ہو گیا اور میں اس بات پر گواہ ہوں۔ (نسائی)

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ اعمال کی مثال برتن کی سی ہے کہ جب اس کے نیچے اچھا ہوگا تو اوپر بھی اچھا ہوگا۔ اور جب نیچے خراب ہوگا تو اوپر بھی خراب ہوگا۔ (ابن ماجہ)

اس مثال میں نیچے سے مراد نیت ہے اور اوپر سے مراد عمل۔ حضورؐ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح برتن میں کوئی چیز ڈالیں تو وہ برتن کے نیچے اور اوپر ایک جیسی ہوتی ہے۔ اسی طرح نیت اور عمل کا حال ہے اگر نیت اچھی ہو گی تو وہ عمل نیکی ہو گا۔ اور اس کا اجر ملے گا اور اگر نیت اچھی نہ ہو گی تو عمل نیکی نہ ہو گا۔ نہ اس کا اجر ملے گا۔ چاہے دیکھنے میں وہ نیکی ہی کیوں نہ لگتا ہو۔

رسول خدا ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر صحابہ کرامؓ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر دم رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ نے غزوہ تبوک کی شرکت کے لئے منادی کرائی تو حضرت واثلہؓ بن اسقع تمام مدینے میں پکارتے پھرتے کہ کون اس شخص کو سواری دیتا ہے جو اس کے عوض اسے اپنی غنیمت کا حصہ دینے کے لیے تیار ہے، اس پر ایک بوڑھے انصاری نے انہیں سواری دے دی۔ جب مال غنیمت تقسیم ہوا تو حضرت واثلہؓ کے حصے میں چند نوجوان اونٹنیاں آئیں۔ آپؓ ان اونٹنیوں کو لے۔ اس انصاری کے پاس پہنچے تا کہ شرط کے مطابق اونٹنیاں ان کے حوالے کر دیں۔ انصاری نے اونٹنیوں کو اچھی طرح دیکھا بھالا اور کہا "عمدہ ہیں" لیکن انہیں لینے پر تیار نہ ہوئے اور حضرت واثلہؓ سے کہا کہ اپنی اونٹنیاں لے جاؤ۔ ہمارا مقصود تمہارا یہ حصہ نہ تھا بلکہ کچھ اور تھا۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ ہم نے مال غنیمت کا حصہ حاصل کرنے

کے لیے تمہیں سواری نہیں دی تھی بلکہ جہاد میں شرکت کرنے کے ثواب کو حاصل کرنے کے لیے دی تھی۔

اسلام نے رضائے الٰہی کو نیک اعمال کا مقصود قرار دے کر انسان کو انسان دوستی کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا دیا ہے۔ اللہ کی رضا ہی کو پیش نظر رکھنے والا انسان بنی نوع انسان کے لیے رحمت بن جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی حرص اسے اس بات پر آمادہ کرتی رہتی ہے کہ خدا کی مخلوق کی خدمت اور بھلائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے اور پھر یہ ساری خدمت چونکہ وہ خدا کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے نہ تو وہ ان انسانوں سے جن پر اس نے احسان کیا ہوتا ہے' کسی عوض کا طلب گار ہوتا ہے اور نہ اپنے احسان جتا جتا کر انہیں شرمندہ اور پریشان کرتا ہے، وہ اس بات سے بہت ہی دور ہوتا ہے کہ اپنے نیک اعمال کا اشتہار دیتا پھرے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی دولت بے دریغ رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف کی اور مصر اور شام کو رفاہ عامہ کے اداروں، مساجد، مدارس اور سراؤں وغیرہ سے بھر دیا۔ لیکن ان اداروں میں سے کسی کو بھی انہوں نے اپنے نام سے منسوب نہ کیا بلکہ وہ ایسے اداروں کو اپنے فوجی افسروں، وزیروں، مددگاروں اور دوستوں کے نام سے منسوب کیا کرتے تھے۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ جنگ خیبر کے دن میرا بھائی رسول خدا ﷺ کے ہم رکاب ہو کر خوب لڑا (اتفاق سے) اس کی تلوار پلٹ کر اسی کو لگ گئی اور وہ قتل ہو گیا۔ اس پر رسول خدا ﷺ کے اصحابؓ نے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کیں اور اس کے (شہید ہونے کے) معاملے میں شک کرنے لگے (اور کہنے لگے) کہ یہ ایسا شخص ہے جو خود اپنے ہی ہتھیار سے مرا ہے (گویا اس نے خودکشی کی ہے) اور اس

کے معاملے کے بعض پہلوؤں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ حضرت سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول خدا ﷺ خیبر سے لوٹے تو (ایک دن) میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو رجز (یعنی جنگی اشعار) سناؤں۔

رسول خدا ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی۔ اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ تو کیا سنائے گا۔ پس میں نے یہ رجز پڑھا۔

والله لولا الله ما اهتد دينا

خدا کی قسم اگر اللہ کی مدد نہ ہوتی تو ہمیں راہ راست نہ ملتی۔

ولا تصدقنا ولا صلينا

اور نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ (پھر میں نے آگے پڑھا)

وانزلن سكينة علينا وثبت

الاقدام ان لاقينا

والمشركون قد بغوا علينا

اور ہم پر سکون قلب نازل فرما، اور اگر ہم کفار سے جنگ کریں تو ہمیں ثابت قدم رکھ، اور مشرکوں نے ہم پر ظلم کر رکھا ہے۔

جب میں نے یہ رجز ختم کر لیا تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ اشعار کس نے کہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ میرے بھائی نے کہے تھے۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس پر رحم فرمائے، میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ لوگ تو اس پر نماز (جنازہ) پڑھتے ہوئے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو خود اپنے ہتھیار سے مر گیا ہے۔ (گویا کہ اس نے خودکشی کی ہے) اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو جہاد

کرتے ہوئے مجاہد کی حیثیت سے مرا ہے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت سلمۃؓ بن اکوع کے ایک بیٹے سے (اس واقعے کے بارے میں) پوچھا تو اس نے بھی اپنے باپ سے اسی طرح حدیث بیان کی سوائے اس کے کہ اس میں یہ بات تھی کہ (حضرت سلمہؓ بن اکوع نے کہا کہ) جب میں نے کہا کہ لوگ تو اس پر نماز (جنازہ) پڑھتے ہوئے ڈرتے ہیں تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں، وہ تو جہاد کرتا ہوا مجاہد کی حیثیت سے مرا ہے اور اس کے لیے دگنا اجر ہے اور آپ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ (مسلم)

اس حدیث میں بھی اسی بات کو واضح کیا گیا ہے کہ عمل نیت پر منحصر ہے۔ اگرچہ وہ شہید خود اپنے ہی ہتھیار سے قتل ہوئے تاہم چونکہ ان کا ارادہ خودکشی کا نہ تھا بلکہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی نیت رکھے ہوئے تھے اس لیے ان کی موت مجاہد کی موت ہے نہ کہ خودکشی کرنے والے کی۔ اعمالِ نیک سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود رکھنا جتنا ارفع عمل ہے ریا یعنی لوگوں کو دکھانے کے لیے نیکیاں کرنا اتنا ہی قابلِ مذمت فعل ہے۔ رسول خدا ﷺ نے ریاکاری کی عبادتوں اور ریاکاری کے دوسرے اعمال کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم (اس وقت) مسیحِ دجال کا ذکر کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے بھی زیادہ خوف کھائی جانے والی ہے؟ (یعنی خوفناک ہے) ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (ضرور دیجیے) آپؐ نے فرمایا: "کہ وہ شرک خفی ہے (اور وہ یہ ہے) کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو اور جب کسی شخص کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے دیکھے تو اپنی نماز کو خوب بنا

سنوار کر پڑھنے لگے (تا کہ وہ شخص متاثر ہو کہ یہ آدمی کتنی اچھی نماز پڑھتا ہے)۔“

(ابن ماجہ)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے لوگوں کو سنانے کے لیے (کوئی نیک) کام کیا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن یا دنیا ہی میں) اس (کی ذلت لوگوں) کو سنوائے گا۔ اور جس نے (لوگوں کو) دکھانے کے لیے (کوئی نیک) کام کیا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن یا دنیا ہی میں) اس (کی برائیاں لوگوں) کو دکھلائے گا۔ (مسلم)

یعنی جو شخص اس لیے نیک اعمال کرے گا کہ لوگوں کی نگاہوں میں معزز ہو وہ اپنی اس ریا کاری کے باعث آخرت میں یا دنیا ہی میں لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو کر رہے گا۔ اس کے برعکس جس کا مقصود صرف خدا کی نگاہوں میں اچھا بننا ہو گا وہ اپنے خلوص کے باعث آخرت میں تو انشاء اللہ معزز ہو گا ہی، بسا اوقات ایسے نیکوکار دنیا میں بھی عزت واحترام حاصل کر لیتے ہیں اگرچہ یہ دنیاوی عزت واحترام حاصل کرنا ان کا مقصود نہیں ہوتا۔

شیخ سعدیؒ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں کہ میں بچپن میں بڑا عابد، زاہد، شب بیدار تھا۔ ایک رات اپنے والد کے ساتھ مسجد میں مشغول تھا اور قرآن حکیم بغل میں لیے ہوئے تھا۔ کچھ لوگ ہمارے چاروں طرف سو رہے تھے کہ میں نے والد سے کہا: ان لوگوں میں سے کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیتا۔ ایسے سوئے ہیں گویا مردہ ہیں۔ یہ سن کر میرے والد نے فرمایا: ”جان پدر! تم بھی اگر سو جاتے تو اس سے بہتر تھا کہ لوگوں کی عیب چینی کرتے۔“

اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص بیان کرتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت عائشہؓ کو

لکھا کہ آپ مجھے ایک تحریر بھیجئے جس میں مجھے نصیحت کیجئے مگر وہ نصیحت (مختصر ہو) بہت لمبی نہ ہو۔ لہذا حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا ''سلام علیک' اما بعد' بے شک میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس نے لوگوں کو ناراض کر کے خدا کی خوشنودی تلاش کی اللہ اسے لوگوں کی ایذا رسانی سے (بچانے کے لیے) کافی ہو جائے گا۔ اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی خوشنودی چاہی اللہ اسے لوگوں ہی کے حوالے کر دے گا۔'' والسلام علیک'' (ترمذی)

''لوگوں ہی کے حوالے کر دے گا'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی امداد نہیں فرمائے گا اور اسے لوگوں ہی پر چھوڑ دے گا کہ اس کے ساتھ جو سلوک چاہیں کرتے رہیں۔

اس فانی دنیا میں رہنے والا فانی انسان اگر اپنے ہی جیسے دوسرے فانی انسانوں کی تعریف و توصیف کو ہی مقصد قرار دے لے تو پھر اس سے زیادہ نادان کون ہو گا۔ جب ہم کوئی نیک عمل دوسروں کو دکھانے کے لئے کرتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ آخر کتنے لوگ اسے دیکھ سکتے ہیں۔ ان تھوڑے سے لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنے کے بعد قیامت کے دن انہیں واہ واہ کرنے والوں اور ان کے علاوہ بے شمار دوسروں لوگوں کے سامنے جو رسوائی ہوگی' اس کا ابھی سے دھیان کر لینا چاہیے۔

ذکرِ الٰہی

محبت کے تقاضوں میں ایک لازمی تقاضہ یہ ہے کہ دل میں محبوب کی یاد قائم رہے۔ اور جس ہستی کی یاد دل میں ہمیشہ رہے گی، کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ اس کا ذکر بار بار زبان پر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بے حد پسند فرمایا ہے کہ اس کی مخلوق اس کا ذکر کرتی رہے۔ دل میں بھی اور زبان سے بھی۔ ذیل کی آیات اس کی وضاحت کرتی ہیں:

○ سورہ اعراف آیت ۲۰۵ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

''اور اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کر۔ اپنے دل میں گڑگڑا کر اور چپکے سے اور بغیر آواز بلند کئے اور غافلوں میں نہ ہونا۔''

○ سورہ حدید آیت ۱۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

''کیا ان کے لیے جو ایمان لائے ہیں (ابھی وہ) وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد سے ان کے دل پگھل جائیں اور اس حق سے جو نازل ہوا ہے!''

○ سورہ آل عمران آیت ۱۰۳ میں فرمایا ہے:

''اور اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے یاد کرو!''

o سورہ نور آیت ۳۷ میں ارشاد ہوا ہے:

''......(ایسے) مرد ہیں جنہیں اللہ کے ذکر سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے' نہ خرید وفروخت۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔''

o سورہ الذمر آیت ۲۲ میں بیان ہوا ہے:

''سو ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل خدا کے ذکر سے سخت ہیں، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں:

o سورہ زخرف آیت ۳۶ میں ارشاد ہوا ہے:

''اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے غافل ہوگا' ہم اس پر شیطان مقرر کردیں گے' سو وہی اس کا ساتھی ہوگا:

o سورہ الحشر آیت ۱۹ میں بیان ہوا ہے:

''اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول گئے' سو اللہ نے انہیں خود ان کے اپنے نفس بھلا دیئے۔ سو یہی لوگ فاسق ہیں۔''

o سورہ المنٰفقون آیت ۹ میں ارشاد ہوا ہے:

''مسلمانو! کہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہی لوگ گھاٹا اٹھانے والے ہیں۔''

o سورہ جن آیت ۱۷ میں بیان ہوا ہے:

''اور جو کوئی اپنے پروردگار کے ذکر سے روگردانی کرے گا' اللہ اسے سخت عذاب میں داخل کرے گا'

o سورہ العنکبوت آیت ۴۵ میں بیان ہوا ہے:

''اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے کہ جو تم کرتے ہو۔''

o سورۂ بقرہ آیت ۱۵۲ میں بیان ہوا ہے:

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میرا انکار نہ کرو (یا میری ناشکری نہ کرو)''

o سورۂ انفال آیت ۴۵ میں ارشاد ہوا ہے:

''مسلمانو! جب تم (کافروں کی) جماعت کے بالمقابل ہو تو جمے رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو۔''

کلام پاک کی انہیں تعلیمات کی بنا پر جناب رسول خدا ﷺ خود بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ ہر وقت خدا کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ (ترمذی)

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی تمام باتیں اس کے لئے نقصان دہ ہوں گی۔ کسی بات سے اسے فائدہ نہ پہنچے گا سوائے ان باتوں کے کہ نیکی کا حکم دیا جائے برائی سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس گھر میں خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی مثال اور جس گھر میں خدا کا ذکر نہیں کیا جاتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (مسلم)

یعنی جس گھر کے رہنے والے خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں، وہ گھر گویا ایک زندہ گھر ہے اور جس گھر کے رہنے والے خدا کا ذکر نہیں کرتے، وہ گھر گویا ایک مردہ گھر

ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ (جب) کچھ لوگوں نے کوئی مجلس قائم کی (پھر) نہ اس میں خدا کا ذکر کیا اور نہ اس کے نبیؐ پر درود بھیجا تو وہ مجلس ان لوگوں کے لیے (باعث) نقصان ہو گی۔ پھر اگر خدا چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو انہیں بخش دے گا۔ (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مجلس قائم کی جائے تو چاہے وہ کسی دینی مقصد کے لیے ہو یا کسی دنیاوی مقصد کے لیے، اس کے ختم ہونے سے پہلے اس میں اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہیے اور نبیؐ پر درود ضرور پڑھا جانا چاہیے۔ یہ ایک عمدہ طریقہ ہے کہ مجلس کے آغاز ہی میں اللہ کی تعریف کر لی جائے۔ اور نبی ﷺ پر درود بھیج لیا جائے۔

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت دار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس نے سب فحش باتوں کو، چاہے وہ ظاہر ہوں یا خفیہ، حرام کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ تعریف کو پسند فرماتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی تعریف فرمائی ہے۔ (بخاری)

حضرت معقل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہرج (یعنی فتنہ و فساد) کے زمانے میں عبادت کرنا ایسے ہی ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔ (ترمذی)

ہجرت کرنا خصوصاً اپنا علاقہ چھوڑ کر رسول خدا ﷺ کی خدمت میں پہنچ جانا بہت زیادہ فضیلت کی بات تھی۔ اس کے علاوہ جو لوگ اپنے ان علاقوں کو چھوڑ کر جہاں کافروں کا تسلط تھا حضورؐ کے پاس پہنچ جاتے تھے وہ ویسے بھی امن و حفاظت میں آ جاتے تھے۔ لہٰذا جب فتنہ و فساد ہو تو خدا کی طرف رجوع کرنا، اس سے دعا کرنا، اس کی عبادت

کرنا بہت زیادہ فضیلت کی بات بھی ہے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فتنہ وفساد کو بھی دور کرتا اور امن وسکون عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا فتنہ وفساد اور پریشانیوں کے زمانے میں تعلق باللہ پر خصوصی زور دینا چاہیے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خداﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھوں جو صبح کی نماز سے لے کر طلوعِ آفتاب تک خدا کا ذکر کرتے ہیں تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ عزیز ہے کہ میں (حضرت) اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کروں اور اگر میں ان لوگوں کے پاس بیٹھوں جو عصر کی نماز سے لے کر غروبِ آفتاب تک خدا کا ذکر کرتے ہیں تو یہ مجھے اس سے زیادہ عزیز ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں درحقیقت صبح کی نماز سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز سے لے کر غروبِ آفتاب تک خدا کا ذکر کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضورؐ کا یہ فرمانا کہ ان اوقات میں ذکر کرنے والوں کے پاس بیٹھنا مجھے غلام آزاد کرنے سے زیادہ عزیز ہے، یہ واضح کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی بہت خیر و برکت کا باعث ہوتا ہے۔

قلبی ذکر

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ کبھی یہ ذکر قلبی ہوتا ہے' یعنی دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رکھی جاتی ہے اور کبھی قولی اور کبھی عملی' دل کی یاد بڑی اہمیت کی حامل ہے جس دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد رہے گی۔ اس میں ناپاک خیالات نہیں آئیں گے۔ قلبی ذکر جتنا ضروری ہے، اتنا ہی اسے آسان رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے لیے وضو کی

بھی کوئی شرط نہیں۔ نہ یہ ضروری ہے کہ کسی خاص جگہ بیٹھ کر ہی ذکر کیا جائے۔ بس اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کام دھندا کرتے، اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں موجود رہے۔ یہ یاد زندگی میں سب سے بڑا ساتھی، سب سے بڑا مددگار اور سب سے بڑا سہارا ہے، پریشانیوں کی انتہا کے وقت یہ یاد ہی دل کی ڈھارس بندھاتی اور عمل پر ابھارتی ہے جو خوش قسمت اس یاد کو دل میں قائم رکھنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے فلاح و کامیابی کی چابی حاصل کر لی۔

قولی ذکر

ذکر کی دوسری قسم قولی ذکر ہے یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ قولی ذکر میں مختلف چیزیں آ جاتی ہیں مثلاً نماز پڑھنا بھی قولی ذکر ہے، کلام پاک کی تلاوت بھی قولی ذکر کی ایک شکل ہے کیونکہ جو انسان نماز پڑھ رہا ہے یا اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی تلاوت کر رہا ہے وہ فی الحقیقت اس کی یاد ہی میں لگا ہوا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرنا بھی قولی ذکر کی ایک شکل ہے۔ ان کے علاوہ کچھ پاک کلمات بھی ہیں جنہیں کلمات ذکر کہا جاتا ہے۔

''مثلاً سُبْحَانَ اللّٰه کہنا، یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔''

''اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہنا، یعنی اسے سب تعریف کا سزاوار قرار دینا۔''

''اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا، یعنی اسے سب سے بڑا ماننا۔''

''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنا، یعنی یہ اقرار کرنا کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔''

''ایسے ہی رب العالمین کے ۹۹ پاک نام ہیں جن میں سے ہر نام اس کی ایک

صفت کو ظاہر کرتا ہے۔اس کے ان ناموں کا درد کرنا بھی قولی ذکر ہے۔

ذیل کی احادیث میں مختلف کلماتِ ذکر اوران کی فضیلت کا بیان ہے۔

مصعب بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول خدا ﷺ کے پاس تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ ہر روز ہزار نیکیاں کما لیا کرے۔آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی ہزار نیکیاں کیسے کمائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لیا کرے اس سے اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی یا اس کی ہزار خطائیں مٹا دی جائیں گی۔(مسلم)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور (نماز کی) صف میں مل گیا اور اس کا سانس پھول رہا تھا تو اس نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا مُبَارَکاً فِیْہِ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے' تعریف کثیر اور پاک جسے برکت دی گئی ہے) جب رسول خدا ﷺ اپنی نماز ختم کر چکے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے ہیں اس پر لوگ خاموش رہے۔حضورؐ نے پھر فرمایا کہ تم میں سے کس نے یہ کلمات کہے' اس نے کوئی بری بات نہیں کہی۔اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ میں آیا تو میرا سانس پھول رہا تھا۔میں نے یہ کلمات کہے تھے۔حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کی طرف لپک رہے تھے کہ ان میں سے کون انہیں اوپر لے جائے۔(مسلم)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے (یہ کلمات) پڑھے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً (اللہ سب سے بڑا ہے' میں اس

بڑے کی بڑائی کرتا ہوں، اور اللہ کے لئے بہت زیادہ تعریف ہے اور میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں صبح کو بھی اور شام کو بھی) اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ان کلمات کو کہنے والا کون ہے؟ لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ہوں یا رسولؐ اللہ، آپ نے فرمایا کہ مجھے ان (کلمات) پر تعجب ہوا کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے سنا میں نے ان کلمات کو کبھی نہیں چھوڑا۔ (مسلم)

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہنی شروع کر دی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر مہربانی کرو (چلا چلا کر اپنے آپ کو نہ تھکاؤ) تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے، نہ کسی غائب کو (پکار رہے ہو) تم تو اس کو پکار رہے ہو جو بہت سننے والا، (تمہارے بالکل) قریب اور تمہارے ساتھ ہے (راوی) بیان کرتے ہیں کہ (اس وقت) میں حضورؐ کے پیچھے تھا اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہؓ بن قیس، کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں۔ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسولؐ اللہ (ضرور بتایئے) آپؐ نے فرمایا کہو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه (یعنی گناہوں سے بچاؤ اور نیکی کی قدرت ہونا اللہ ہی کی طرف سے ہے)۔ (مسلم)

حضورؐ کے فرمان کے مطابق یہ کلمات پڑھنے سے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ حاصل کرنا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دو کلمے ہیں جو زبان پر تو ہلکے ہیں (لیکن) میزان میں بھاری ہیں (اور) رحمٰن کو (بہت) پیارے

ہیں (وہ کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم (یعنی میں پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی اور اس کی تعریف کے ساتھ میں پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی جو عظمت والا ہے)۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے صبح ہونے پر اور شام ہونے پر سوسو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھا کوئی شخص قیامت کے دن اس کے لائے ہوئے عمل سے بہتر عمل نہیں لائے گا۔ سوائے اس کے جس نے اس کی مثل پڑھا یا اس سے زیادہ (پڑھا)۔ (مسلم)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پڑھا سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ (یعنی میں پاک بیان کرتا ہوں عظمت والے رب کی اور اس کی تعریف کے ساتھ) اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگایا جائے گا۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سو بار کہا کرو۔ جس نے اسے ایک دفعہ کہا۔ اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جس نے اسے دس دفعہ کہا اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جس نے اسے سو دفعہ کہا اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے (اس سے بھی) زیادہ کہا اللہ تعالیٰ اسے (اس سے بھی) زیادہ اجر دے گا اور جس نے خدا سے بخشش مانگی خدا تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ (ترمذی)

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میں (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ اے محمد (ﷺ) اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دیں۔ اور ان کو بتا دیں کہ جنت کی مٹی

پاکیزہ ہے (اور) اس کا پانی میٹھا ہے۔ اور وہ صاف میدان ہے (اوپر کچھ اگا ہوا نہیں ہے) اور اس کے پودے سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اَللّٰہ اَکْبَرْ ہیں (یعنی جو کوئی ان کلمات کو پڑھتا رہے گا اس کے لیے جنت میں پودے اگتے جائیں گے)۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک درخت لگا رہا تھا کہ رسول خدا ﷺ میرے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ تم کیا لگا رہے ہو میں نے عرض کیا کہ اپنے لیے ایک درخت لگا رہا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت نہ بتا دوں جو تمہارے لیے اس درخت سے بہتر ہو۔ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسولؐ اللہ (ضرور بتایئے) آپؐ نے فرمایا کہ تو سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اَللّٰہ اَکْبَرْ پڑھ تو تیرے لیے ہر ایک (کلمے) کے عوض جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابو الدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تو سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور اَللّٰہ اَکْبَرْ کو پڑھنا اپنے اوپر لازم کر لے۔ یہ کلمات گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح درخت اپنے (پرانے) پتے جھاڑتا ہے۔ (ابن ماجہ)

عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صبح و شام سو سو دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھا وہ اس کی مانند ہے جس نے سو حج کیے اور جس نے صبح و شام سو سو دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھا وہ اس کی مانند ہے جس نے اللہ کی راہ میں سو (غازیوں) کو گھوڑوں پر سوار کیا یا حضورؐ نے فرمایا کہ (اس کی مانند ہے) جس نے سو غزووں میں حصہ لیا۔ اور جس نے صبح و شام سو سو دفعہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پڑھا وہ اس کی مانند ہے جس نے (حضرت) اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کئے اور جس نے صبح وشام سوسو دفعہ اللہ اکبر پڑھا تو اس دن اس کے عمل سے زیادہ اچھا عمل کسی نے نہیں کیا سوائے اس کے جس نے پڑھا ہو جو اس نے پڑھا یا اس سے زیادہ پڑھا۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دن میں سو مرتبہ (یہ) پڑھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر.

خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور اس کی سو خطائیں معاف کی جائیں گی۔ اور اس دن شام تک یہ کلمات اس کے لیے شیطان سے بچنے کا ذریعہ بنے رہیں گے۔ اور کوئی شخص اس کے لائے ہوئے (اس) عمل سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں لائے گا سوائے اس کے جس نے اس سے زیادہ عمل کیا اور جس نے ایک دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا اس کی خطائیں ساقط کر دی جائیں گی۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم)

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی عرب رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ مجھے کوئی کلام سکھایئے جو میں پڑھا کروں۔ حضورؐ نے فرمایا تو (یہ) پڑھا کر لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ اللّٰه اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا سُبْحَانَ اللّٰه رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْم.

(خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،
اللہ سب سے بڑا ہے، میں بڑے کی بڑائی بیان کرتا ہوں اور اللہ
کے لیے بہت زیادہ تعریف ہے۔ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں
جو رب العلمین ہے، گناہ سے بچاؤ اور نیکی کی قدرت ہونا اللہ ہی
کی طرف سے ہے جو زبردست دانا ہے)

اس شخص نے عرض کیا کہ یہ کلمات تو میرے رب کے لیے ہیں۔ (ان میں اسی کی صفات بیان ہوئی ہیں) میرے لیے کیا ہے (میں کن الفاظ سے اپنے لیے دعا کروں) حضورؐ نے فرمایا کہ تم (یوں) کہو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ (اے خدا مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما۔ اس حدیث کے ایک راوی) موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ (حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ) عافنی (یعنی مجھے عافیت عطا فرما) لیکن مجھے (ٹھیک) یاد نہیں۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ پیارا ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (مسلم)

صحیح مسلم میں ایک حدیث بیان ہوئی جس کے شروع میں حضرت سمرۃؓ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کلام میں سب سے زیادہ پسند چار کلمات ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ان میں سے جس کلمے کو بھی (چاہو) پہلے کہو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ الخ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ محتاج مہاجرین رسول خدا ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار لوگ بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں لے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ کیا بات ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ بات یوں ہے کہ) جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں (مگر ان کے پاس مال ہے جو ہمارے پاس نہیں لہذا) وہ خیرات کرتے ہیں اور ہم خیرات نہیں کرتے اور وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرتے۔ (لہذا وہ ہم سے بہت زیادہ ثواب حاصل کر لیتے ہیں) اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ سکھادوں کہ جو لوگ (ثواب میں) تم سے آگے بڑھ گئے ہیں تم اس چیز کے ذریعے انہیں پالو اور جو تم سے بعد ہیں تم اس چیز کے ذریعے ان سے آگے رہو اور کوئی تم سے افضل نہ ہو سوائے اس کے جو ویسا کرے جیسا تم نے کیا ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ (ضرور بتایئے) آپؐ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ **سبحان اللہ** ۳۳ دفعہ **اللہ اکبر** اور ۳۳ دفعہ **الحمد للہ** پڑھا کرو۔ (راوی) ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ (کچھ دنوں بعد) محتاج مہاجرین پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ جو (وظیفہ) ہم پڑھتے تھے ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی اس کے بارے میں سن لیا اور ویسے ہی پڑھنا شروع کر دیا (اب پھر وہ درجات اور ثواب میں ہم سے بڑھ گئے) اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے' وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ (مسلم)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام چکی پینے کے باعث تکلیف میں تھیں۔ انہیں خبر پہنچی کہ رسول خدا ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں پس وہ ایک خادم مانگنے کے لئے حضورؐ کی خدمت میں آئیں مگر حضورؐ سے ملاقات نہ ہوئی تو انہوں نے حضرت عائشہؓ سے (اس بات کا) ذکر کیا۔ جب حضورؐ تشریف لائے تو

حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا (حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ) پھر حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم (سونے کے لیے) اپنے بستروں میں داخل ہو چکے تھے، ہم اٹھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو (اٹھنے کی ضرورت نہیں' پھر حضورؐ ہمارے پاس بیٹھ گئے) یہاں تک کہ میں نے آپؐ کے دونوں قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس کی۔ پھر فرمایا کہ کیا میں تم دونوں کو ایک ایسی چیز نہ بتا دوں جو اس چیز سے بہتر ہو جو تم نے مانگی ہے۔ (وہ چیز یہ ہے کہ) جب تم اپنے بستروں میں جاؤ تو چونتیس دفعہ اللّٰہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ اور ۳۳ دفعہ الحمد للّٰہ پڑلیا کرو اور ۳۳ دفعہ سبحان اللّٰہ پڑھ لیا کرو۔ یہ تم دونوں کے لیے بہتر ہے۔ اس چیز سے جو تم نے مانگی تھی۔ (بخاری)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول خدا ﷺ سے یہ کلمات (یعنی ۳۴ دفعہ اللّٰہ اکبر اور ۳۳ دفعہ الحمد للّٰہ اور ۳۳ دفعہ سبحان اللّٰہ) سنے ہیں میں نے انہیں کبھی نہیں چھوڑا۔ مگر جنگ صفین کی رات کو یہ مجھے (رات کے پہلے حصے میں یاد نہ رہے بلکہ) رات کے آخری حصے میں یاد آئے۔ تو میں نے (اس وقت بھی) انہیں پڑھ لیا۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ذرؓ نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''یا رسولؐ اللہ مالدار لوگ اجر لے گئے (کیونکہ) وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے کہ ہم پڑھتے ہیں اور وہ روزے رکھتے ہیں جیسے کہ ہم رکھتے ہیں۔ اور ان کے پاس فالتو مال ہے جسے وہ خیرات کرتے ہیں اور ہمارے پاس مال نہیں کہ ہم اسے خیرات کریں۔'' رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''اے ابو ذرؓ! کیا میں تمہیں کچھ ایسے کلمات نہ سکھا دوں جن کے ذریعے تم ان لوگوں تک جا پہنچو جو (اجر میں) تم سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور جو تمہارے پیچھے ہیں وہ تم تک نہ پہنچ سکیں سوائے اس کے جو تمہارے

عمل جیسا عمل کرے۔'' حضرت ابو ذرؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسولؐ اللہ (ضرور سکھایئے) آپؐ نے فرمایا کہ تو ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللّٰہ اکبر پڑھا کر اور ۳۳ دفعہ الحمد للّٰہ پڑھا کر اور ۳۳ دفعہ سبحان اللّٰہ پڑھا کر اور ان کے آخر میں (یہ کلمات پڑھا کر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے) (جو ایسا کرے گا) اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہو۔ (ابوداؤد)

حضرت جویریہؓ بیان کرتی ہیں کہ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد تڑکے ہی رسول خدا ﷺ میرے پاس سے باہر تشریف لے گئے اور میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھی (خدا کا ذکر کر رہی) تھی۔ پھر آپؐ دن چڑھے واپس تشریف لائے اور میں (ابھی تک وہیں) بیٹھی (ذکر الٰہی کر رہی) تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس حالت میں میں نے (صبح) تمہیں چھوڑا تھا کیا تم اس وقت سے اب تک اسی حالت میں بیٹھی (ذکر کر رہی) ہو۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تیرے بعد میں نے چار کلمات تین مرتبہ کہے ہیں۔ تم نے شروع دن سے اب تک جو کچھ پڑھا ہے اگر اس کے ساتھ ان کلمات کو وزن کیا جائے تو ان کا وزن بڑھ جائے گا۔ (وہ کلمات یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَخَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِهٖ (میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی تعریف کے ساتھ اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کی ذات پاک کی رضا کے مطابق اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کی تعداد کے برابر) (یعنی بے انتہا پاکی بیان کرتا ہوں اور بے انتہائی تعریف کرتا

ہوں)۔(مسلم)

حضرت یسیرہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے عورتوں کو حکم فرمایا کہ وہ اللّٰہ اکبر اور سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی محافظت کیا کریں (یعنی انہیں حتیٰ الامکان پابندی سے پڑھا کریں) اور (حضورؐ نے عورتوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی) کہ وہ (تکبیر و تسبیح و تہلیل وغیرہ کا) شمار انگلیوں کی پوروں پر کیا کریں کیونکہ (قیامت کے دن) ان پوروں سے سوال ہوگا اور انہیں بولنے کے لیے کہا جائے گا (اور یہ بول کر بتائیں گی کہ ہم پر اتنی بار کلمات ذکر پڑھے گئے)۔(ابوداؤد)

رسول خدا ﷺ کے خادم ابوسلام بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان یا (یہ فرمایا کہ) جو کوئی انسان یا (یہ فرمایا کہ) جو کوئی بندہ شام اور صبح کو (یہ) پڑھے رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّاوَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا (میں راضی ہو گیا اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین برحق ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر) تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن اس شخص کو راضی کر دے (یعنی اسے اتنا اجر دے کہ وہ خوش اور مطمئن ہو جائے)۔(ابن ماجہ)

جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسن صاحب فرماتے ہیں:

''جنت میں کروڑ دفعہ بھی الحمد للہ کہے تو اس کا درجہ نہیں بڑھتا نہ ثواب ملتا ہے۔ دنیا میں ایک دفعہ الحمد للہ کہنا دنیا کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، اس لئے وقت کی قدر کرو اور پیسے کی بھی قدر کرو، بیکار ضائع نہ کرو، وقت بڑی قیمتی دولت ہے اس کو ضائع نہ کرو، تسبیح وتحمید میں رہو!

نیز آپ نے فرمایا:

''اصل چیز کام کرنا ہے، اس کا موقع دنیا ہی میں ہے، جب روح بدن سے نکل

جائے گی پھر کروڑ جتن کرے نہ ملے گی، وہ ایسی نعمت ہے جو دنیا میں ہے جنت میں نہ ملے گی اور ایسی نعمت ہے کہ جنت کی نعمتیں بھی جب ہی ملیں گی کہ وہ نعمت دنیا میں حاصل ہو جائے اس لئے دنیا بڑی نعمت کی جگہ ہے اور وہ نعمت یہاں سے آسانی سے مل جاتی ہے۔
وہ نعمت ذکر الٰہی ہے!

تفسیر روح المعانی میں حضرت سلیمانؑ کا ایک قصہ بیان ہوا ہے کہ انہیں بے نظیر سلطنت عطا کی ہوئی تھی۔ جس وقت ان کا دربار ہوتا تھا تو تختِ شاہی اتنا وسیع ہوتا تھا کہ اس پر سونے چاندی کی چھ لاکھ کرسیاں بچھتی تھیں پرندے اس پر سایہ کرتے تھے اور ہوا کو جاسوسی کا کام سپرد ہوتا کہ روئے زمین میں جہاں کہیں ہمارے متعلق کوئی بات کی جائے ہمیں پہنچا دو اور جب تخت پر دربار منعقد ہوتا تو ہوا کو حکم دیا جاتا کہ اس کو لے کر اڑے۔ چنانچہ ہوا اس کو لے کر اڑتی تھی۔ ایک دفعہ اسی شان وشوکت سے آپ کا تخت جا رہا تھا کہ کسی نے تعجب سے کہا: سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا اُوْتِیَ آلِ دَاؤد (میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں کہ آل داؤد کو کیا شان وشوکت دی گئی) حضرت سلیمان نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ ہمارے متعلق کیا کہا؟ وہ پہلے تو ڈرا۔ پھر تسلی دینے پر بتا دیا۔ کہ ایسے کہہ رہا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: تَسْبِیْحَةٌ وَاحِدَةٌ خَیْرٌ مِمَّا اُوْتِیَ الِ دَاوٗد (ایک دفعہ سبحان اللہ پڑھنا اس شان وشوکت سے بہتر ہے جو آل داؤد کو دی گئی)

ابو وائل بن سلمہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ (حضرت) عمرؓ نے مجھے اپنے ہاتھ سے چار عطیے دیئے اور کہا کہ ایک نعرہ تکبیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (طبقات ابن سعد)

عملی ذکر

ذکر کی تیسری قسم عملی ذکر ہے۔ عملی ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے

ہیں ان پر عمل کیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ کی یاد کی ایک بڑی اہم شکل ہے، درحقیقت یہ تینوں چیزیں اسی طرح قدرتی طور پر ایک دوسری سے نکلی چلی آتی ہیں جیسے عمدہ بیج بونے اور مناسب پانی دینے سے تنا' شاخ اور پھول' پتے' پھل خود بخود ہی یکے بعد دیگرے نکلتے آتے ہیں۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو گی تو زبان پر ضرور آئے گی اور جب دل اور زبان دونوں اس میں مصروف ہوں گے تو عمل خود بخود ہی متاثر ہوتا چلا جائے گا۔ جس ہستی سے واقعی محبت ہو اور اس کی یاد صحیح معنوں میں دل میں موجود رہے اس کی عملی نافرمانی کرنا قابلِ فہم نہیں۔ حضرت رابعہ بصریہؒ نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

> ''تو خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور ساتھ ہی اس سے محبت ہونے کا اظہار بھی کرتا ہے۔ خدا کی قسم! یہ بات قیاس میں بڑی عجیب و غریب ہے۔ اگر تو اس سے محبت کرتا ہوتا تو تو اس کا مطیع ہوتا کیونکہ چاہنے والا اس ہستی کا جسے وہ چاہے ہمیشہ مطیع ہوتا ہے!''

مفتی محمد حسنؒ فرماتے ہیں کہ حصنِ حصین میں ہے کُلُّ مُطِیعٍ ذَاکِرٌ"، یعنی ہر اطاعت کرنے والا گویا ذکر کرنے والا ہے۔ ذکر کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ اللہ کرنا' دوسرے شریعت کی پابندی کرنا۔

مفتی محمد حسنؒ نے فرمایا کہ ہر معاملے کو شریعت کے مطابق کرنا یہ ذکر حقیقی ہے۔ باقی یہ مروجہ ذکر جو ہے یہ ذکرِ صوری ہے۔

ذکر الٰہی کی برکات

انسان روح اور مادے کا مرکب ہے۔ اور ایک صحیح مسلم کی زندگی گزارنے کے لیے اسے دونوں چیزوں کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ ورنہ اس کی زندگی

میں توازن قائم نہیں رہ سکتا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب ہے۔ جو شخص صرف اپنے مادی جسم کے تقاضے پورے کرتا ہے اور روح کی پاکی کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ جلد حیوانوں کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

جس طرح انسانی جسم کی نشو ونما ضروری ہے، اسی طرح اس جسم کے اندر بسنے والی روح کی نشو ونما بھی ضروری ہے۔ جسم کی نشو ونما کے لیے جو اہمیت غذا کو حاصل ہے، روح کی نشو ونما کے لئے وہی حیثیت ذکرِ الٰہی کو حاصل ہے، جسم تو اگر کمزور ہو جائے گا تو آنکھوں سے نظر ہی آجائے گا اور انسان اس کی درستی کی فکر کر لے گا مگر اندر بسنے والی روح آنکھوں سے نظر نہیں آتی، اس کی طاقت اور کمزوری کا حال علامت ہی سے معلوم ہوتا ہے آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور وہ علامت اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ اگر یہ یاد دل میں موجود ہے اور اکثر موجود رہتی ہے تو سمجھ جائیے کہ اندر والی روح صحیح سلامت تندرست ہے اور اگر یہ یاد کمزور پڑ گئی ہے تو یقین مانئے کہ آپ کی روح نحیف و نزار اور بیمار ہے اور اگر یہ یاد خدانخواستہ بالکل ختم ہو گئی ہے تو ماتم کیجئے کہ آپ کی روح جان بلب ہے یا بالکل مر چکی ہے۔ خلاصہ یہ کہ روح کی بالیدگی اور پاکیزگی کے لیے یادِ الٰہی ایک لازمی شے ہے اور روح پر اس کا یہ لازماً اثر پڑتا ہے کہ وہ مضبوط، پاکیزہ، پاک صاف اور تندرست و توانا ہوتی ہے۔

انسانی زندگی مختلف اقسام کی ذمہ داریوں کے بار سے لدی ہوئی ہے۔ ذمہ داریوں کے علاوہ اور ہزارہا اقسام کے تفکرات، الجھنیں اور پریشانیاں اسے چاروں اطراف سے گھیرے رہتی ہیں۔ یہ سب چیزیں مل کر جسم کے اعصاب میں ایسا کھچاؤ پیدا کر دیتی ہیں کہ بعض لوگ تو طرح طرح کے اعصابی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں تو خصوصی طور پر زندگی کی پریشانیاں، پیچیدگیاں، الجھنیں اور غیر محفوظ

ہونے کا احساس اتنا بڑھ گیا ہے کہ اعصاب بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور اعصابی بیماریوں کی تعداد بہت بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اعصاب کو قوت عطا کرتا ہے اور انہیں اس قابل بناتا ہے کہ زندگی کی گوناں گوں پریشانیوں کے حملوں کا کامیاب مقابلہ کر سکیں۔ جس معاشرے میں اللہ تعالیٰ کی یاد بہت زیادہ ہوگی، اس میں پاگلوں اور اعصابی مریضوں کی تعداد بہت کم ہوگی، جس تناسب سے انسان خدا کی یاد سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اسی تناسب سے ان میں اعصابی امراض اور پاگل پن کی تکلیف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وجہ سیدھی سی اور بالکل ظاہر ہے کہ جن کے سینے اللہ تعالیٰ کی یاد سے آباد ہوں ان کے پاس ایک بڑا مضبوط سہارا ہوتا ہے جو انہیں دکھ اور تکلیف میں سنبھالے رہتا ہے اور جہاں یہ سہارا موجود نہیں ہوتا، وہاں غم کی شدت کو کم کرنے والی کوئی شے نہیں ہوتی۔ لہٰذا غم' اعصاب اور حواس پر غلبہ پالیتا ہے۔

ذکر الٰہی کی سب سے بڑی برکت دل کا سکون ہے جو زندگی کی ایک عظیم نعمت ہے۔ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:

''آگاہ رہو کہ اللہ کی یاد (ہی) سے اطمینان پاتے ہیں دل!''

(سورۂ رعد' آیت: ۲۸)

حضرت ابو ہریرہؓ یا حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے (بعض) فرشتے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں، یہ ان فرشتوں کے علاوہ ہیں جو لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں (یہ پھرتے رہنے والے فرشتے) جب ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو خدا کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں کہ آؤ اس چیز کی طرف جو تمہارا مقصد ہے (اور جس کی تلاش میں تم پھر رہے ہو) پس وہ سب فرشتے (ذکر کرنے والوں کے پاس) آ جاتے ہیں اور ان پر

آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک چھا جاتے ہیں (پھر جب وہ واپس اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے بندوں کو کیا کرتے چھوڑ کر آئے ہو؟

وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم انہیں اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ وہ آپ کی تعریف کرر ہے تھے اور آپ کی بزرگی بیان کرر ہے تھے اور آپ کا ذکر کرر ہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہوا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ آپ کو دیکھ لیتے تو پھر اور بھی زیادہ شدت سے آپ کی تعریف بیان کرتے اور اور بھی شدت سے آپ کی بزرگی بیان کرتے اور، اور بھی زیادہ شدت سے آپ کا ذکر کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کیا طلب کرتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ جنت طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو پھر کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو پھر اور بھی زیادہ شدت سے اس کے طلب گار ہوتے اور اور بھی زیادہ شدت سے اس کے حریص ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہوا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو پھر کیا حال ہوتا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر وہ اسے دیکھ لیتے تو پھر اور بھی زیادہ شدت سے اس سے ڈرتے اور اور بھی زیادہ شدت سے اس سے پناہ مانگتے۔ (اس پر) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ) ان میں (تو) فلاں شخص بھی ہے جو بڑا گنہگار ہے۔ اس نے ان کے

پاس آنے کا ارادہ (اس لیے) نہیں کیا تھا (کہ ان کے ساتھ شریک ہو کر تیرا ذکر کرے) بلکہ وہ تو کسی (دنیوی) ضرورت کے لیے ان کے پاس آیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (میں اس پر بھی اپنی رحمت نازل کروں گا کیونکہ) یہ ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بے نصیب نہیں رہتا۔ (ترمذی)

○ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ جی ہی جی میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی جی ہی جی میں اسے یاد کرتا ہوں اور اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں کی جماعت) میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں ہاتھ بھر اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اور اگر وہ ہاتھ بھر میرے قریب ہوتا ہے تو میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ (باہم) بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور (خدا کی) رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکونِ قلب نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتوں کے درمیان)۔ (مسلم)

حضرت معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نکل کر ایک حلقے کے پاس آئے یعنی اپنے صحابہؓ کے ایک حلقے کے پاس، پھر (ان سے) فرمایا کہ "تم کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔" انہوں نے عرض کیا کہ "ہم بیٹھ کر اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس بات پر

اس کا شکر کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنے دین کی طرف ہدایت دی اور آپ کو مبعوث فرما کر ہم پر احسان فرمایا۔" آپؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم کیا صرف اسی لیے بیٹھے ہوئے ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ (جی ہاں) خدا کی قسم ہم صرف اسی لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: دیکھو میں نے تم سے قسم اس لئے نہیں لی کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا تھا۔ بلکہ صرف اس لیے (لی ہے کہ میں اپنی تسلی کرنا چاہتا تھا۔ کہ تم واقعی ذکر الٰہی ہی کے لیے بیٹھے ہو' کیونکہ بات یہ ہے) کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے (کہ دیکھو میرے بندے کیسے ہیں کہ دنیوی خواہشات ہونے کے باوجود میری یاد میں مصروف ہیں)۔ (نسائی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ مکہ مکرمہ کے راستے میں جا رہے تھے کہ آپؐ ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے جسے جمدان کہتے ہیں۔ آپؐ نے (اپنے صحابہؓ سے) فرمایا کہ چلتے جاؤ' یہ جمدان ہے (اور فرمایا کہ) مُفَرِّدُوْن (ثواب حاصل کرنے میں) آگے بڑھ گئے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ مُفَرِّدُوْن کون ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کا بہت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔ (مسلم)

غرضیکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا روح کی غذا' دل کا اطمینان اور ہر قسم کے دکھ' بے چینی اور رنج والم سے بہترین جائے پناہ ہے چونکہ ذکر الٰہی انسان کے لیے ہر طرح کے دینی اور دنیوی فوائد کا ذریعہ ہے، اس لیے شیطان کو انسان کا یادِ خدا میں مشغول ہونا سخت ناپسند ہے اور وہ دل میں طرح طرح کے وسوے پیدا کر کے اسے اس پاک عمل سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہتا ہے، جہاں دینی حس زیادہ مضبوط اور عقیدۂ آخرت زیادہ پختہ نہیں ہوتا وہاں تو وہ طرح طرح کی دنیوی دلچسپیوں کی طرف توجہ دلا کر ذکر الٰہی سے غافل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب معاملہ کسی ایسے انسان کا ہو جس کی دینی حس مضبوط اور عقیدۂ آخرت پختہ ہو تو وہاں وہ دل میں گناہوں کے احساس کو مبالغہ

آمیز حد تک گہرا کر کے خدا کی رحمت و مغفرت سے نا امید کروانے کی کوشش کرتے ہوئے سمجھاتا ہے کہ جب عملاً تم نے اتنے گناہ کر لیے ہیں تو اب بھلا اس یاد کا فائدہ ہی کیا ہے۔ خدا تو تم سے شدید طور پر ناراض ہو ہی چکا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کو لاحول پڑھنا چاہیے اور یاد کر لینا چاہیے کہ خدا کی رحمت ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ ہے اور اس کی رحمت و مغفرت پر بھروسہ کرتے ہوئے ذکر کی تینوں اقسام پر ثابت قدمی سے جم جانا چاہیے یعنی قلبی ذکر پر بھی اور قولی ذکر پر بھی اور عملی ذکر پر بھی۔

مولانا رومؒ ایک حکایت بیان فرماتے ہیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''ایک شخص رات کے وقت ذکر الٰہی میں مشغول تھا اور اس کی زبان پر اللہ کا ورد طاری تھا۔ شیطان نے اسے جھڑک کر کہا ''اے کم بخت! کب تک اللہ اللہ کی رٹ لگائے گا، اس طرف سے کوئی جواب ملتا نہیں اور تو ہے کہ مسلسل اس کو پکارے جا رہا ہے!'' شیطان کی بات سن کر وہ شخص بہت دل شکستہ ہوا۔ سر جھکایا تو نیند آ گئی۔ خواب میں خضرؑ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ ''اے نیک بخت! تو نے ذکر الٰہی کیوں چھوڑ دیا۔ آخر تو اس ذکر سے پشیمان کیوں ہو گیا؟''

اس شخص نے کہا کہ ''بارگاہ الٰہی سے مجھے کوئی جواب نہیں ملتا۔ اس لیے فکر مند ہوں کہ کہیں میرے ذکر حق کو رد ہی نہ کر دیا گیا ہو!''

حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ بارگاہ الٰہی سے مجھے حکم ہوا ہے کہ تیرے پاس جاؤں اور تجھے بتاؤں کہ تو جو ہمارا ذکر کرتا ہے وہی ہمارا جواب ہے، تیرے دل میں جو سوز و نیاز پیدا ہوتا ہے وہ ہمارا ہی تو پیدا کیا ہوا ہے۔ اور یہ ہمارا ہی کام ہے کہ تجھے ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا ہے۔ تیرے ہر ''یا اللہ'' کہنے میں سو لبیک پوشیدہ ہیں!

☆......☆......☆

شکر

بارش ابھی ابھی برس کر تھمی تھی۔ سڑک کے کناروں پر کیچڑ تھا۔ ایک غریب سی عورت میلے کچیلے کپڑے پہنے' موٹی سی پھٹی ہوئی چادر کی بکل مارے گذر رہی تھی۔ اس کے پاؤں میں ٹوٹی ہوئی جوتی تھی اور اجڑے اجڑے بال پھٹی ہوئی چادر میں سے باہر جھانک رہے تھے۔ ماتھے پر پریشانیوں کی لکیریں چہرے پر فلاکت معاً اس کا پاؤں رپٹا اور وہ دھڑام سے کیچڑ میں گری۔ اس کی ہیئت کذائی ایسی تھی کہ ضبط کے باوجود ہنسی نکل گئی۔

جس کھڑکی میں ہم کھڑے تھے وہ دوسری منزل میں واقع تھی اور جس گھر کی یہ کھڑکی تھی' وہ سڑک کے اوپر واقع تھا۔ غریب عورت کے چاروں شانے چت گرنے پر میری سہیلی کے چہرے پر ایسی ندامت اور شرمندگی کے آثار پیدا ہو گئے گویا وہ عورت نہیں بلکہ وہ خود بھرے بازار میں گر گئی ہو۔ میرے ہنسنے پر اس نے ملامت آمیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بگڑ کر بولی:

''یہ خوب رہی۔ میں اس طرح گر گئی ہوں اور تم کھڑی ہنس رہی ہو!''

یہ بات اس نے کچھ اس انداز سے کہی کہ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں

وہم سا گزرا کہ کہیں اس کے حواس پر تو کوئی اثر نہیں ہو چکا۔

''ہوش کی دعا کرو'' میں نے کہا: ''تم کب گری ہو۔ وہ تو کوئی راستہ چلنے والی عورت گری ہے۔ تم تو یہاں آرام سے کھڑی ہو!''

اتنی دیر میں وہ سنبھل چکی تھی۔ وہ کھسیانی سے ہنسی ہنستے ہوئے بولی:

''واقعی دیکھو نا میری عقل۔ گری تو وہ عورت ہے اور میں کہہ رہی ہوں کہ میں گری ہوں!'' اور پھر اس نے جلدی سے بات کا رخ بدل دیا۔

چند دن اور گزر گئے۔ ایک دن پھر میں اس سے ملنے گئی ہوئی تھی پھر ہم اس کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے، پھر ایک فلاکت زدہ عورت سڑک پر سے گزری۔ کوئی 50 کے قریب سن' چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا۔ کپڑے جگہ جگہ سے پیوند لگے۔ سر پر بدرنگ پھٹی ہوئی چادر' عصر کا وقت تھا، وہ بازار سے کچھ پکانے کی اشیاء لے کر آ رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں مٹی کی کلیا تھی جس میں تھوڑا سا سرسوں کا تیل تھا اور اس نے سر پر ایک پٹلیا رکھی ہوئی تھی جس میں کوئی سبزی بندھی تھی۔

میری سہیلی عجب بے ساختہ پن سے ہنسنے لگی۔

اے ذرا مجھے دیکھنا تو' اس نے مجھے ٹھونکا دیتے ہوئے کہا: ''دیکھنا تو کہ میں کیسے ہاتھ میں تیل کی کلیا پکڑے اور سر پر سبزی کی پٹلیا رکھے آ رہی ہوں!''

میرے دل پر دہشت طاری ہو گئی' میں نے ہراساں سا ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''خدا کے لئے سلیمہ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہو۔ تمہارے حواس تو ٹھیک ہیں نا۔ یہ کیا بات ہے کہ تم ہر میلے کپڑوں والی' اجڑے بالوں والی فلاکت زدہ' پریشان حال عورت کے لیے لفظ ''میں'' استعمال کرنے لگتی ہو۔ یہ ہاتھ میں تیل کی کلیا پکڑ کر اور سر پر

سبزی کی پٹلیا رکھ کر جانے والی عورت تم تو نہیں کوئی اور ہے۔ تم تو یہاں کھڑی ہو!''

اس نے پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اسی طرح کھسیانی ہنسی ہنس کر بات کو ٹالنے لگی۔ مگر اس دفعہ میں نے اسے بات کو ٹالنے نہ دیا۔ اور بری طرح اس کے پیچھے پڑ گئی کہ وہ مجھے ان بے ربط باتوں کا مطلب بتائے۔ وہ عاجز آ کر کہنے لگی:

''اصل میں بات یہ ہے کہ جب میں کسی راستے میں کسی ایسی عورت کو چلتے دیکھتی ہوں جس کے جسم پر پورے کپڑے اور پاؤں میں پوری جوتی نہیں ہوتی جس کے چہرے پر فلاکت اور بدقسمتی کے آثار ہوتے ہیں' جس کے طرز عمل اور حالت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم اور آسائش سے کوسوں دور ہے تو میرے دل میں بے اختیار یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اصل میں یہ میں تھی۔ میرے پاس اچھے کپڑے بھی نہیں تھے۔ میں انتہائی غریب تھی۔ میں نے ایک لفظ بھی نہیں پڑھا ہوا تھا، میں جاہل مطلق اور شائستگی سے کوسوں دور تھی۔ میں یہ سب کچھ تھی تو پھر دیکھو کہ میرے مالک نے مجھ پر کتنا کرم کیا کہ مجھے اچھا لباس بھی دیا۔ اور مجھے علم کی دولت بھی دی۔ اور مجھے گھر بھی اچھا رہنے کے لیے دیا اور مجھے ہر طرح کا آرام و آسائش بھی دیا۔ یہ سب کچھ اس نے اپنی مہربانی سے مجھے عنایت کر دیا۔ حالانکہ درحقیقت میں تو وہ غریب عورت تھی جو اپنے اجڑے بالوں کو میلی چادر میں چھپائے' اپنی ٹوٹی ہوئی جوتیوں کو گھسیٹتے کھسڑ کھسڑ کرتی سڑک پر چلی جا رہی ہے!''

اس کی بات سن کر میرے دل پر رعب سا طاری ہو گیا۔ اس ناتجربہ کار لڑکی کو کیسے پتے کی بات معلوم ہو گئی جو بڑے بڑے تجربہ کاروں کو بھی معلوم نہیں ہوتی، اس کے یہ کہنے سے کہ ''درحقیقت میں وہ لڑکی تھی جو کھسڑ کھسڑ سڑک پر چلی جا رہی ہے۔'' اس کی مراد یہ تھی کہ خدا مجھے یہ بھی بنا سکتا تھا مگر اس نے مجھے ویسا نہیں بنایا ہے بلکہ ایسا بنایا

ہے جیسی کہ میں نظر آ رہی ہوں۔!

اس نے اپنے طرز عمل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ہران پڑھ فلاکت زدہ اور محرومیوں میں گھری ہوئی عورت کے بارے میں بار بار یہ سوچنے کے باعث کہ میں یہ بھی ہو سکتی تھی اب مجھ پر کچھ ایسا اثر ہو گیا کہ بعض اوقات کسی ایسی عورت کو دیکھ کر مجھے غیر ارادی طور پر یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ چند بار میں تمہارے سامنے ایسی بات کر گئی ہوں جس سے تم نے یہ سمجھا کہ شاید میں حواس کھو بیٹھی ہوں۔

انسان کی جن صفات کو اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا ہے ان میں ایک اللہ کا شکر گزار رہنا بھی ہے۔ شکر کے اصل معنی اعترافِ نعمت اور احسان مندی کے ہیں۔ جو انعامات اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو آخرت میں عطا فرمائے ہیں ان کے علاوہ اس دنیوی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی زیادہ نعمتوں سے نوازا ہوا ہے کہ اگر ہمیں اس کا صحیح احساس ہو تو ہمارا ہر بُن مو شکر ادا کرتا رہے۔ جن نعمتوں کو ہم بالکل معمولی سمجھتے ہیں وہ بھی اگر چھن جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنی بڑی دولت تھیں۔

سورۃ نساء آیت نمبر ۱۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔“

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان فراموشی اور نمک حرامی کا رویہ اختیار نہ کرو۔ بلکہ صحیح طور پر اس کے احسان مند بن کر رہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ تمہیں سزا دے۔

سورۂ ابراہیم آیت نمبر ۷ میں ارشاد ہوا ہے:

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔''

اس آیت میں بھی شکر کرنے کی فضیلت اور ناشکری کا نقصان واضح کیا گیا ہے۔

سورۂ نحل آیت نمبر ۱۴ میں اللہ پاک نے فرمایا ہے:

''وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تروتازہ گوشت لے کر کھاؤ۔ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو کہ جو تم پہنا کرتے ہو تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔'' حضورؐ خود اللہ تعالیٰ کے انتہائی شکر گزار بندے تھے اور آپؐ نے اپنی امت کے لئے بھی اسی شے کو پسند کیا کہ وہ شکر گزار بنے رہیں۔

حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے (تو بہت دیر تک پڑھتے رہتے) یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں پاؤں یا دونوں پنڈلیوں پر ورم آ جاتا۔ آپؐ سے عرض کیا گیا (کہ آپؐ تو بخشے ہوئے ہیں تو پھر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں) تو آپؐ نے فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے (جس کی حالت یہ ہے) کہ جب کھانا کھاتا ہے تو اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے یا جب پانی پیتا ہے تو اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھانے والا جو شکر ادا کرے (اجر کے لحاظ سے) صبر کرنے والے روزہ دار کے برابر ہے۔ (ترمذی)

روزہ رکھ کر بھوک پیاس وغیرہ کو صبر سے روکنا بڑے اجر کی بات ہے۔ حضورؐ نے یہاں شکر کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس طرح صبر سے روزہ رکھنے والا بہت بڑے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی بہت بڑے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے جو اگرچہ روزہ نہیں رکھے ہوئے مگر خدا کا شکر گزار ہے۔ اس حدیث سے یہ مفہوم نکالنا جائز نہیں کہ چونکہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق صابر روزہ دار اور شکر گزار کھانے والا اجر کے لحاظ سے برابر ہیں، اس لیے فرضی روزے رکھنے کے بجائے انسان شکر ہی کرتا رہے۔ شکر کی اہمیت اپنی جگہ بہت ہے مگر فرض روزہ بغیر عذر شرعی کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ اس حدیث میں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ دونوں اعمال کا اجر برابر ہے، اس میں سے کسی ایک کو چھوڑنے کی اجازت نہیں نکالی جا سکتی۔

حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا بھی عجب معاملہ ہے۔ ہر حالت میں اس کے لیے خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں۔ اگر اسے خوشی ملے تو وہ شکر کرتا ہے اور اس میں اس کے لئے بھلائی ہوتی ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو صبر کرتا ہے اور اس میں (بھی) اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔ (مسلمؒ)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کے معاملے میں فریب کھاتے ہیں (وہ دو نعمتیں) تندرستی اور فراغت (ہیں)۔ (بخاری)

انسان نے کوئی دینی کام کرنا ہو یا دنیاوی...... عموماً دو چیزوں کی لازماً ضرورت ہوتی ہے۔ ایک صحت اور دوسرے وقت۔ کیونکہ جب بیماری آ دبوچے یا ذمہ داریوں کی وہ بھرمار ہو کہ وقت نکالنا محال ہو جائے تو پھر انسان کوئی خاص کام کرنے کے لیے چاہے

کتنا ہی کیوں نہ تڑپ رہا ہوں، اُسے کرنا عموماً اس کے بس میں نہیں رہتا۔ لہٰذا جس شخص کو صحت اور فراغت حاصل ہو اور وہ انہیں اپنے کسی بھلے کے کام پر صرف کرنے کے بجائے انہیں ضائع کر دے، وہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق فریب خوردہ شخص ہے۔ صحت اور فراغت کی حالت میں انسان اس گمان میں رہتا ہے کہ شاید ان دونوں نے اب ساتھ چھوڑنا ہی نہیں حالانکہ صبح و شام کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسان کو پتہ بھی نہیں چلتا اور یہ دونوں نعمتیں اچانک اس کا ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا جو ان کی قدر نہیں کرتے' ان کے حاصل ہونے کی صورت میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے انہیں اپنے بھلے کے لیے استعمال نہیں کرتے، وہ نقصان اٹھاتے ہیں۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو سلام کیا۔ انہوں نے اسے سلام کا جواب دیا اور پھر فرمایا کہ تم کیسے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میں آپ کے سامنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہی ہے وہ بات جو میں تم سے چاہتا ہوں (یعنی یہی کہ تم خدا کا شکر ادا کرو) (موطا)

اقسام شکر

واضح رہے کہ شکر کی تین اقسام ہیں: ایک قلبی شکر' دوسرے قولی شکر اور تیسرے عملی شکر۔

قلبی شکر یہ ہے کہ دل میں اس منعمِ حقیقی کے بے پایاں انعامات کا احساس گہرا رہے۔ یہ زندگی اور زندگی کے سارے لوازمات جو اس نے محض اپنی رحمت و رافت کے باعث ہمیں عطا فرمائے ہیں اور وہ بے شمار مہلکات جن سے وہ ہمیں بچائے رکھتا ہے اور

انہیں معاف بھی فرماتا ہے، اس کی ان سب عنایات کا دل میں گہرا احساس ہونا قلبی شکر ہے۔

اس قلبی شکر کے ساتھ زبان سے شکر کے کلمات ادا کرنے بھی ضروری ہیں دل کے جن جذبات کو ہم زبان سے بھی ادا کرتے رہیں وہ دل میں زیادہ گہرے ہوتے ہیں۔

عملی شکر میں پہلی بات یہ آتی ہے کہ جو نعمتیں اس منعمِ حقیقی نے عطا کی ہیں وہ ٹھیک انہیں راہوں پر صرف ہوں جنہیں وہ پسند فرماتا ہے۔ مثلاً خدا نے اگر دولت دی ہے اور وہ جائز اور خدا کی رضا حاصل کرنے والے کاموں پر صرف ہو رہی ہے تو یہ اس نعمت کا عملی شکر ہے۔ اسی طرح دل، دماغ، آنکھیں اور دوسری قوتیں اور صلاحتیں جو اس نے عطا کی ہیں اگر اس کی اطاعت اور تابعداری کی راہوں پر صرف ہو رہی ہیں تو یہ ان صلاحیتوں اور قوتوں کی عملی شکر گزاری ہے۔

عملی شکر گزاری کی دوسری شکل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں ان میں ان محتاج اور مستحق انسانوں کو شامل کیا جائے جنہیں کسی وجہ سے اس نے وہ نعمتیں عطا نہیں کیں۔ مثلاً خدا نے دولت کی نعمت دی تو غریبوں کی امداد کی جائے۔ صحت کی نعمت دی تو بیماروں کی تیمارداری کی جائے۔ علم کی نعمت دی تو بے علموں کی رہنمائی کی جائے۔ وغیرہ

ایک شکر گزار انسان کے لیے شکر کی ان تینوں قسموں پر عمل کرنا ضروری ہے یعنی دل بھی شکر سے معمور رہے اور زبان بھی شکر سے تر رہے۔

اور عمل پر بھی شکر گہرے طور پر اثر انداز رہے۔

جذبۂ شکر پیدا کرنے کے ذرائع

رسول مقبول ﷺ نے مسلمانوں کے لیے شاکر بننا جس قدر ضروری سمجھا، وہ

آپ کے پاک اسوہ اور آپ کے ارشادات سے واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے سے اوپر والے کو دیکھنے کے بجائے اپنے سے نیچے والے کو دیکھے تو اس کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں اللہ اسے شاکر و صابر لکھ لیتا ہے اور جس میں وہ نہ پائی جائیں اللہ اسے نہ شاکر لکھتا ہے نہ صابر (لہٰذا) جو آدمی اپنے دین کے معاملے میں اس شخص کی طرف دیکھتا ہے جو اس سے اوپر ہے اور پھر اس کی پیروی کرتا ہے اور اپنی دنیا کے معاملے میں اس شخص کی طرف دیکھتا ہے جو اس سے نیچے ہے اور اللہ نے اسے اس پر جو (دنیاوی) فضیلت دی ہے اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے اسے اللہ شاکر اور صابر لکھ لیتا ہے (اس کے برعکس) جو آدمی اپنے دین کے معاملے میں اس شخص کی طرف دیکھتا ہے جو اس سے نیچے ہے اور اپنی دنیا کے معاملے میں اس کی طرف دیکھتا ہے جو اس سے اوپر ہے اور جو مال و دولت اس کے پاس نہیں اس پر افسوس کرتا ہے اللہ اسے نہ شاکر لکھتا ہے نہ صابر۔ (ترمذی)

شیخ سعدیؒ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس جوتا نہ تھا اور نہ جوتا خریدنے کے لیے پیسے تھے۔ میں سخت دل تنگ ہو کر مسجد میں جا بیٹھا تو وہاں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے سرے سے پاؤں ہی نہ تھے۔ اس سے میرے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوا کہ چلو اگر جوتا نہیں تو نہ سہی میرے پاؤں تو سلامت ہیں۔

جذبۂ شکر پیدا کرنے کا ایک اور ذریعہ یہ ہے کہ جو نعمتیں حاصل ہوں، دل میں ان کا گہرا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ صحابۂ کرامؓ کے سوانح حیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے زیر تربیت رہنے کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا گہرا

احساسِ شکر گزاری رکھتے

حمید بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کی اس زمین میں جو عقیق (کے علاقے) میں تھی کہ اہل مدینہ میں سے کچھ لوگ سواریوں پر ان کے پاس آئے اور ان کے قریب اترے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے مجھ سے کہا کہ میری ماں کے پاس جاؤ انہیں کہو کہ آپ کا بیٹا آپ کو سلام کہتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ ہمیں کچھ کھلایئے (پس میں ان کی والدہ محترمہ کے پاس گیا) تو انہوں نے ایک بڑے پیالے میں تین روٹیاں' کچھ زیتون کا تیل، کچھ نمک رکھا اور پھر اسے میرے سر پر رکھ دیا اور میں اسے اٹھا کر ان لوگوں کے پاس لے آیا۔ جب میں نے اسے ان کے سامنے رکھا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا اللہ اکبر اور (پھر) کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں روٹی سے سیر کیا۔ حالانکہ اس سے پہلے ہمارا کھانا صرف دو کالی چیزیں ہوتا تھا (یعنی) پانی اور کھجور............الخ (موطا)

حضرت عروۃ بن زبیرؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب کبھی بھی کھانے پینے کی کوئی چیز دی جاتی' یہاں تک کہ اگر دوائی بھی دی جاتی تو اسے کھاتے یا پیتے تو کہتے ''سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں کھلایا اور ہمیں پلایا اور ہمیں نعمتیں عطا فرمائیں اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے خدا' تیری نعمت ہمارے پاس اس وقت آئی جب ہم سراسر برائیوں میں مصروف تھے۔ ہم نے اس نعمت کی وجہ سے نہایت اچھی طرح صبح وشام کئے ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس نعمت کو پورا کر دے اور ہمیں توفیق عطا فرما کر اس پر تیرا شکر ادا کریں۔ تیری بہتری کے سوا کہیں بہتری نہیں۔ اور تیرے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں' اے نیکوں کے معبود اور اے جہاں کو پالنے والے' سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا کوئی

عبادت کے قابل نہیں۔ جو اللہ چاہے گا (وہی ہوگا) قوت اللہ ہی کی مدد سے ہوسکتی ہے۔اے اللہ جو کچھ تو نے ہمیں عطا کیا ہے اس میں ہمیں برکت دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔'' (موطا)

ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ کوئی غریب آدمی کسی شخص کے پاس گیا اور اپنے افلاس کا بہت زیادہ رونا رویا کہ بالکل ہی تہی دست ہوں۔اس شخص نے کہا کہ میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ دوں گا بشرطیکہ تم اپنا ایک پاؤں کاٹ کر مجھے دے دو۔سوالی یہ سن کر سخت ناراض ہوا اور صاف جواب دے دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔اس شخص نے کہا چلو دوست پاؤں نہ سہی ایک ہاتھ ہی کاٹ دو۔تم دوسرے ہاتھ سے بہت سے کام کر سکتے ہو۔مانگنے والے نے یہ بات بھی نہ مانی۔اس شخص نے کہا کہ اچھا ہاتھ نہ سہی ایک آنکھ ہی نکال دو، اس سے تو تمہیں کوئی زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ایک آنکھ سے بھی تم دنیا کے کام کاج کر سکتے ہو۔سوالی نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں میں آنکھ بھی نہیں دے سکتا اس شخص نے کہا اچھا اب میں تم سے آخری بات کرنے لگا ہوں اور وہ یہ کہ تم مجھے اپنا کان کاٹ کر دے دو۔اس سے تو قطعی کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔اوپر سے کان کٹ بھی جائیں تو بھی تم سب باتیں برابر سنتے رہو گے۔سوالی بگڑ کر بولا ایسے بھی میں نہیں کروں گا!

اس شخص نے کہا:

''میاں! پھر ذرا غور کرو کہ اتنے لاکھوں کا مال تمہارے پاس ہے، اس کے باوجود تم روتے ہو کہ میں مفلس ہوں۔اب تمہارا ہر عضو جو میں نے ایک ایک لاکھ روپے کے عوض مانگا تھا لاکھ سے زیادہ قیمتی تھا۔تبھی تو تم نے مجھے دینا منظور نہیں کیا۔اب بتاؤ تم مفلس ہو یا لکھ پتی!''

پھر اس عقل مند انسان نے اس مفلسی کا رونا رونے والے کو سمجھایا کہ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ بنیادی دولتیں عطا کر رکھی ہوں وہ فی الحقیقت دولت مند ہی ہوتا ہے۔اس کی اس حالت میں جس میں اس کے پاس روپے پیسے کی ریل پیل ہواور اس حالت میں جس میں اس کے پاس روپے کی کمی ہو۔بس اتنا ہی فرق ہے کہ ایک انسان کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہواور دوسرے کے پاس ایک لاکھ روپیہ اور ایک آنہ۔کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ اور ایک آنہ ہو۔وہ ایک لاکھ روپیہ رکھنے والے سے زیادہ امیر ہے؟ بنیادی دولتوں کی موجودگی میں دنیاوی دولتوں کا ہونا درحقیقت ایک آنے ہی کا فرق ڈالتا ہے۔

ایک مقامی اسکول کی بارہ تیرہ سالہ بچی اسکول میں اپنی ہم جولیوں کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔باتوں باتوں میں وہ کہنے لگی کہ میرے دل میں بڑی حسرت ہے کہ میں کبھی اسکول سے گھر دیر کر کے جاؤں تو گھر میں مجھے کوئی ڈانٹے اور مارے اور کہے کہ خالدہ! تم دیر کر کے کیوں آئی ہو۔میں جلدی گھر چلی جاؤں یا دیر کر کے جاؤں مجھے کوئی نہیں جھڑکتا' کاش مجھے کوئی جھڑکنے والا ہوتا۔

بات یہ تھی کہ بچی کی ماں فوت ہو چکی تھی۔باپ اپنے کام سے دیر سے واپس آتا تھا۔اس لیے اگر وہ دیر سے بھی گھر جاتی تھی تو گھر میں کوئی تھا ہی نہیں جو اسے ٹوکتا۔یہ روک ٹوک اس کی ایک حسرت بن کر رہ گئی تھی۔

اب ذرا خیال کریں کہ کتنے بے شمار نوجوان بچے اور بچیاں ہیں جن کے گھروں میں روکنے ٹوکنے والے ماں باپ موجود ہیں مگر انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ روک ٹوک جو ہم پر کی جاتی ہے یہ کوئی نعمت ہے اور جنہیں حاصل نہیں ہوتی ان کے لیے یہی شے حسرت بن جاتی ہے۔

حضرت رابعہ بصریہؒ کے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن ایک شخص کے سر میں درد تھا، وہ سر کو پٹی باندھ کر ہائے وائے کرتا ان کے پاس پہنچا کہ دعا کیجئے بڑا سخت درد ہو رہا ہے۔ حضرت رابعہ بصریہؒ نے فرمایا:

''اے شخص اتنی دیر خدا نے تمہیں صحت دیئے رکھی۔ کبھی شکر کی پٹی بھی باندھی تھی؟ آج ذرا سر کو درد ہوا تو ناشکری کی پٹی باندھ کر آ گئے ہو!''

ایک خاتون کو دانت کے درد کی تکلیف تھی' تکلیف کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ لیٹنا ممکن نہ تھا۔ اگر درد تھما ہوتا تو لیٹتے ہی شدید ہو جاتا۔ پوری پوری رات اُن کی بیٹھے گزر جاتی۔ انہوں نے بیان کیا کہ زندگی میں پہلی دفعہ مجھے شدید طور پر یہ احساس پیدا ہوا کہ یہ جو ہم دن بھر کا کام کر کرا کر رات کو مزے سے بستر پر لیٹ جاتے ہیں یہ بھی خدا کی نعمت ہے۔ زمانہ جنگ میں جب ایک ایک رات کے دوران میں کئی کئی بار خطرے کا سائرن ہوتا ہوا اور لوگوں کو بستروں سے اٹھ کر پناہ گاہوں میں جانا پڑتا ہو تو خیال کیجئے کہ وہ رات کی نیند بھی کتنی بڑی نعمت ہے جو آپ پہلے پہر شروع کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ انشاءاللہ صبح تک سوتے رہیں گے۔

غرضکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے چاروں طرف اپنے انعامات اس کثرت سے بکھیرے ہوئے ہیں کہ ایک دیکھنے والی آنکھ اور احساس کرنے والا دل کبھی شکر گزاری سے معمور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جذبۂ شکر کے پیدا کرنے کا ایک اور ذریعہ قناعت ہے۔ قناعت کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ انسان روزی کی فراخی کے لئے کوشش نہ کرے۔ بلکہ قناعت سے یہ مراد ہے کہ ٹھیک ٹھیک حلال ذرائع سے جتنا مل جائے اس پر خوش و خرم اور شکر گزار رہا جائے۔ اور حرام ذرائع کا خیال بھی دل میں نہ لایا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ کی حرص

میں گرفتار نہیں ہوگا۔ اسے جتنا بھی اللہ تعالیٰ پاک ذرائع سے دینے دے گا اس پر شکر گزار رہنا اس کے لیے زیادہ آسان ہوگا۔

آخر میں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندے کے لئے شکر گزار رہنے کو اتنا پسند فرمایا ہے اور حضور ﷺ نے جو مسلمانوں کو ایک عبد شکور (بہت زیادہ شکر کرنے والا بندہ) بن کر دکھایا اور ان کے لئے بھی شکر گزار بندے بننے کو پسند فرمایا ہے تو یہ اس لیے کہ شکر گزار بنے رہنے میں خود انسان ہی کا فائدہ ہے۔ جس انسان کو اپنے مولا کی بخشی ہوئی نعمتوں کا احساس رہے۔ اس کے دل میں امن، سکون اور خوشی، اُس شخص کے دل کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگی جسے ان نعمتوں کا احساس نہ ہوگا۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ درحقیقت یہ نعمتیں اس ناشکرے کے پاس شکر گزار بندے کی بہ نسبت زیادہ ہوں۔ دل کی یہ خوشی اور سکون بہت بڑی دولت ہے اور دنیاوی دولتیں سمیٹنے سے بھی لوگوں کا اصل مقصود یہ دل کی خوشی حاصل کرنا ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اس نکتے کو نہیں سمجھتے ہیں کہ دنیا کے ساز و سامان کی حرص درحقیقت دل کو خوشی سے محروم کئے رہتی اور ایک مستقل بے چینی میں مبتلا کئے رکھتی ہے۔

پھر اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے نعمتوں میں زیادتی ہوتی ہے۔ جیسے کہ سورۂ ابراہیم کی مندرجہ بالا آیت میں بیان ہو چکا ہے۔

اللہ رب العالمین کو نہ تو ہمارے شکر کی حاجت ہے اور نہ ہمارے کفرانِ نعمت سے اسے نعوذ باللہ کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ تو ہمارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ جس کے باعث شکر گزار رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

سورۃ النحل آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''جونہی سلیمانؑ نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا وہ پکار اٹھا: یہ میرے رب کا فضل ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے!''

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مومن شکر گزار ہوتا ہے وہ عافیت سے بہت نزدیک ہوتا ہے۔

حبِ الٰہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ محبوب کی طرف سے جو انعام واکرام عطا ہوں، دل ان کے احساس سے معمور اور زبان ان کے اظہار میں مصروف رہے!!

☆......☆......☆

توکل

بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا مفہوم معین کرنے میں انسان نے طرح طرح کی غلطیاں کھائی ہیں۔ انہیں الفاظ میں ایک لفظ توکل بھی ہے۔ توکل کا عام سادہ مفہوم تو یہی ہے کہ خدا پر بھروسہ کیا جائے مگر بھروسہ رکھنے کی صورت کیا ہو۔ یہاں آ کر رائیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ ایک گروہ نے غلط طور پر توکل کا مطلب یہ سمجھا کہ عمل اور کوشش کو چھوڑ دینا اور صرف خدا کے بھروسے پر بیٹھے رہنا توکل ہے۔ حالانکہ یہ توکل نہ خدا نے بتایا ہے نہ خدا کے رسول مقبولؐ نے۔ یہ توکل نہیں بلکہ بے عملی ہے اور بے عملی کو اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے۔

حضور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں توکل کا جو مفہوم متعین ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان کوشش تو پوری کرے مگر کوششوں کے نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے اور بھلائی کی امید رکھے۔ اس کے ساتھ اسے یہ بھی یقین ہو کہ کامیابی اس کی اپنی کوششوں کی بنا پر نہیں بلکہ خدا کی مہربانی سے آتی ہے اور کوشش جو وہ کر رہا ہے تو اس لیے کر رہا ہے کہ خدا نے کوشش کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس توکل کے دل میں پیدا ہو جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حالات کتنے ہی

ناموافق کیوں نہ ہوں انسان یاس اور نا امیدی کا شکار نہیں ہوتا۔ جب اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ قدرت ساری کی ساری خدا کے ہاتھ میں ہے تو پھر اسے اس بات کا یقین بھی ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے حالات بدل بھی سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ دنیا عالمِ اسباب ہے یہاں کے ہر واقعہ کے پیچھے عموماً کوئی سبب ضرور ہوتا ہے مگر ایک اور حقیقت اس سے بھی بڑی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا مسبب الاسباب ہے جب اسے کسی فرد یا قوم کو کوئی کامیابی عطا کرنی ہوتی ہے وہ اسباب ہی ایسے پیدا کر دیتا ہے جن کے نتائج کے طور پر وہ کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔

یہی وہ توکل ہے جس کا خدا نے حکم دیا ار رسول مقبول ﷺ نے ساری عمر اس پر عمل کیا اور مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اسی توکل کی بناء پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں بے پناہ استقلال' عزم' جرأت اور بے باکی پیدا ہو چکی تھی۔ متوکل جو صحیح معنوں میں متوکل ہو، شدید سے شدید حالات میں بھی یاس کا شکار نہیں ہو گا۔ مشکل سے مشکل اوقات میں بھی بے صبری کا اظہار نہیں کرے گا۔ اور پر خطر سے پر خطر راہوں میں بھی کم ہمتی اور بزدلی نہیں دکھائے گا۔ جب کامیابی اس ضعیف البنیان کی کوششوں کی بنا پر نہیں بلکہ اس قادرِ مطلق کے حکم کی بناء پر آتی ہے جو سب کچھ کر سکتا ہے تو پھر مایوسی کیوں؟ ہاں انسان کا فرض ہے کہ انتہائی کوشش کرے۔

کیونکہ خدا نے اسے انتہائی کوشش کرنے کا حکم دیا ہے اور خدا کے حکم کی نافرمانی کر کے اسے خدا کی رحمت اور امداد کی توقع رکھنے کا حق نہیں۔

اس بات کو ایک آسان مثال کے ذریعہ سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ کسی علاقے کا واٹر ورکس اس علاقے کے گھروں میں پانی پہنچاتا ہے۔ یہ پانی جو گھروں کو مل رہا ہے

اصل میں واٹر ورکس سے مل رہا ہے۔ مگر پانی کو گھروں تک پہنچانے کے لئے نلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہ نل خود گھروں کو پانی نہیں دیتے بلکہ واٹر ورکس کے دیئے ہوئے پانی کو گھروں تک پہنچانے کے ذریعے ہیں۔ یہی حال اس دنیا میں ہماری کوششوں اور اسباب کا ہے۔ وہ خود کامیابی نہیں دے سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کامیابی کو ہم تک پہنچانے کے ذرائع بنتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پانی کے نل ہی درحقیقت پانی پیدا کر رہے ہیں تو ہم اس پر ہنسیں گے کہ کیسی نادانی کی بات کر رہا ہے۔ ایسی ہی نادانی ہم کرتے ہیں جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کوششیں ہی درحقیقت کامیابی لا رہی ہیں۔

توکل کرنے والے اور توکل نہ کرنے والے میں یہ بڑا بنیادی فرق ہے کہ توکل کرنے والا اپنی انتہائی کوشش کر کے بھی کامیابی کو خدا کی مہربانی کا نتیجہ قرار دیتا ہے توکل نہ کرنے والا کامیابی کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھتا ہے چنانچہ توکل کرنے والے کو اپنی سعی و کوشش کے بعد کامیابی نظر آئے یا نہ آئے وہ کوشش جاری رکھتا ہے۔ کیونکہ اس نے تو پہلے ہی کامیابی کو کوششوں کا نتیجہ نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ کوشش فرمانبرداری کے لیے کی تھی اور فرمانبرداری تو ساری زندگی ضروری ہے۔ اس کے برعکس جس نے کامیابی کو محض اپنی کوششوں کا نتیجہ قرار دیا تھا، اسے جب کامیابی کے حصول میں دیر لگے گی تو وہ بددل ہو کر کوشش بھی چھوڑ دے گا۔

اس طرح توکل ہونا درحقیقت سعی و عمل جاری رکھنے کی طرف ابھارتا ہے۔ اور توکل نہ کرنا اس خطرے میں مبتلا کر دیتا ہے کہ بددل ہو کر سعی و عمل کو چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ جو لوگ توکل کا یہ مفہوم سمجھتے ہیں کہ بے عمل رہ کر کامیابی کے لیے خدا پر بھروسہ رکھا جائے ذرا خیال کیجئے کہ انہوں نے اس لفظ کا مفہوم کتنا غلط سمجھا ہے۔

جو دل خدا کی محبت سے سرشار ہوتے ہیں، ان میں دوسری اعلیٰ صفات کے

علاوہ یہ توکل کی صفت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اور یہ توکل انہیں ہمیشہ ثابت قدم، پرامید، بہادر، نڈر اور شجاع بنائے رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان آیت ۵۸ میں توکل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اور اس زندہ پر بھروسہ رکھو جس کو موت نہیں ہے اور اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے!''

o سورۃ الشعراء آیت ۲۱۷ تا ۲۱۹ میں ارشاد ہوا ہے:

''اور اس غالب مہربان پر بھروسہ رکھ جو تجھے اس وقت دیکھتا ہے جب تو رات کو اٹھتا ہے اور سجدہ کرنے والے لوگوں میں تمہاری نقل وحرکت پر نگاہ رکھتا ہے!''

o سورۃ النحل آیت ۹۹ تا ۱۰۰ میں فرمایا ہے۔

''اس (شیطان) کو ان لوگوں پر تسلط حاصل نہیں ہوتا جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بناتے اور اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔

o سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰ میں بیان ہوا ہے:

''پھر جب (اے نبیؐ) تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں، اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں۔ اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ جو سچے مومن ہیں انہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے یہ وہ لوگ

ہیں جو منتر نہیں کرتے اور براشگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (بخاری)

اس حدیث میں ستر ہزار سے غالباً مراد کثیر تعداد ہے کیونکہ عربی زبان اور محاورے میں یہ عدد کثرت اور غیر معمولی بہتات کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں بھی اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ خدا پر بھروسہ کرنے والے دکھ اور بیماری یا کسی اور تکلیف کے وقت یا کوئی کام کرنے سے پہلے جنتر منتر یا شگونِ بد لینے جیسے ممنوع افعال کا ارتکاب نہیں کرتے۔ بلکہ کسی تکلیف کے دور ہونے یا کسی عمل کے کامیاب ہونے کے سلسلے میں خدا ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت عمرؓ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ پر اسی طرح توکل کرتے جیسے کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو تمہیں اس طرح روزی دی جاتی جس طرح کہ پرندوں کو دی جاتی ہے کہ وہ صبح بھوکے پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی)

یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ تمہیں اس طرح روزی دی جاتی جیسے پرندوں کو دی جاتی ہے، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ یہاں توکل سے مراد یہ ہے کہ روزی کے لئے جدوجہد نہ کی جائے کیونکہ پرندے بھی تو جدوجہد کر کے ہی روزی پاتے ہیں، وہ اپنے گھونسلے سے روزی کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ ادھر ادھر اڑتے پھرتے ہیں، روزی کو تلاش کرتے رہتے ہیں، جہاں کہیں دانا دنکا پاتے ہیں وہاں اڑ کر جاتے ہیں اور اس دانے کو اس طرح حاصل کرتے ہیں کہ ساتھ ساتھ ادھر ادھر دیکھتے بھی جاتے ہیں کہ کہیں کوئی انہیں پکڑ نہ لے۔ تب کہیں جا کر انہیں روزی ملتی ہے۔ یہاں پرندوں سے تشبیہ دینے کا مطلب بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح پرندے روزی تلاش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں روزی عطا فرما دیتا ہے اور وہ شام کو پیٹ بھر کر ہی واپس آتے ہیں ایسے

ہی اگر تم خدا پر اس طرح توکل کرو جیسے توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تمہاری کوششوں کو بھی کامیابی سے سرفراز فرمائے اور تمہیں سہولت سے روزی ملتی رہے۔

خدا پر توکل کرنے والوں کا حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے وہ خدا پر بھروسہ کر کے بڑے بڑے کاموں میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں اگر وہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے تو وہ اتراتے نہیں اور فخر میں نہیں آتے کیونکہ ان کا تو ایمان ہوتا ہے کہ کامیابی ہماری کوششوں سے نہیں خدا کی مہربانی سے آتی ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ کام پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں تو وہ ایسی دل شکستگی کا شکار بھی نہیں ہوتے کہ آس امید چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔

سورۂ حدید آیات ۲۲ تا ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوئی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ دیا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے (یہ سب کچھ اس لئے ہے) تا کہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اس پر تم دل شکستہ نہ ہو۔ اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے' اس پر پھول نہ جاؤ!''

ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں نے کفار کے ہاتھوں جو مظالم سہے تھے، آج بھی انہیں پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کیا کیا سختیاں تھیں جو ان پر نہ توڑی گئیں' اور کیا کیا شدائد تھے جو خود حضور ﷺ کی راہ میں رکاوٹیں بن کر نہ آئے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہی تھا جس نے حضور ﷺ اور مسلمانوں کو ناامید نہ ہونے دیا۔

حضرت ابوبکرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں غار (ثور) میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو (ان) لوگوں کے قدم دیکھے (جو ہمارا پیچھا کرتے کرتے غار کے منہ تک پہنچ چکے تھے) میں نے عرض کیا کہ اے خدا کے نبیؐ اگر ان میں سے کسی نے اپنی نگاہ نیچی کی تو ہمیں دیکھ لے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ خاموش رہ

ہم دو ہیں مگر ہمارے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔ (بخاری)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ تم میں سے جو کوئی بھی مرے اسی حالت میں مرے کہ وہ خدا سے نیک گمان رکھتا ہو (اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو)۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حَسْبُنَا اللّٰہ وَنِعْمَ الْوَکِیْل (یعنی کافی ہے ہمارے لیے اللہ اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے) یہ کلمات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہے جب انہیں آگ میں ڈالا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت کہے جب منافقوں نے (مسلمانوں کو کفار کی جنگی طاقت سے ڈرانے کے لئے) کہا کہ تمہارے خلاف (بڑے) لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ ان سے ڈرو۔ تو یہ سن کر (ڈرنے کے بجائے) مسلمانوں کا ایمان اور زیادہ بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ حَسْبُنَا اللّٰہ وَنِعْمَ الْوَکِیْل (یعنی کافی ہے ہمارے لیے اللہ اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے)۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ شام کی طرف گئے (جہاں مسلمان فوجیں جہاد کر رہی تھیں) جب آپ سردغ (کے مقام) پر پہنچے تو (بلاد شام کے) امرائے فوج (یعنی) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور ان کے ساتھی انہیں آکر ملے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس پر حضرت عمرؓ نے (مجھے) فرمایا کہ میرے پاس مہاجرین اولین کو لاؤ۔ میں انہیں بلا لایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ کیا اور انہیں بتایا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے۔ انہوں نے مختلف رائیں دیں۔ ان میں سے بعض نے تو یہ کہا کہ آپ ایک کام کے لیے نکلے تھے اور ہمیں مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آپ اسے چھوڑ کر واپس چلے جائیں اور بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ بقیۃ السلف اور رسول خدا

ﷺ کے صحابہؓ ہیں اور ہم اس بات کو مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ انہیں اس وبا میں لے کر جائیں، اس پر حضرت عمرؓ نے انہیں فرمایا کہ اچھا تم چلے جاؤ۔ پھر (مجھے) کہا کہ انصار کو میرے پاس بلا لاؤ۔ پس میں انہیں ان کے پاس بلا لایا تو انہوں نے ان سے مشورہ کیا۔ تو انصار نے بھی مہاجرین ہی کا سا طرز عمل اختیار کیا۔ اور انہیں کی طرح مختلف رائیں دیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے انہیں (بھی یہی) فرمایا کہ اچھا تم چلے جاؤ اور پھر (مجھے) فرمایا کہ قریش کے وہ عمر رسیدہ لوگ جو مہاجرین فتح مکہ میں سے ہیں ان میں سے جو بھی یہاں موجود ہوں انہیں میرے پاس لے آؤ۔ پس میں انہیں بلا لایا۔ تو ان میں سے دو نے بھی اس معاملے میں باہم اختلاف نہ کیا اور کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ (ساتھ والے) لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں اور انہیں وبا کے سامنے نہ لائیں۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے اعلان کروا دیا کہ میں کل صبح (واپس ہونے کے لئے) اونٹ پر سوار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ (آپ کے ساتھ والے) لوگ بھی صبح (واپسی کے لیے) سوار ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح (کو حضرت عمرؓ کا یوں لوٹ جانا پسند نہ آیا۔ اور انہوں) نے کہا کہ کیا آپ خدا کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ بات ناپسند ہوا کرتی تھی کہ حضرت ابو عبیدہ کے ساتھ اختلاف رائے ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا: اے ابو عبیدہؓ کاش یہ بات تمہارے بجائے کوئی اور کہتا۔ ہاں ہم (اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں مگر) اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ اگر تمہارا کوئی اونٹ ہو اور تم اسے کسی ایسے نالے میں لے جاؤ جس کے دو کنارے ہوں۔ ایک سرسبز و شاداب ہو اور دوسرا خشک اور سخت۔ اب اگر تم (اپنے اونٹ کو) سرسبز و شاداب کنارے پر چراؤ گے تو بھی تم نے خدا کی تقدیر ہی سے چرایا اور اگر خشک اور سخت کنارے پر چراؤ گے تو بھی خدا کی تقدیر ہی سے چرایا۔ اسی اثناء میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف آ گئے جو

اپنے کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے (یہ بات سن کر) انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس صورتِ حالات کے بارے میں علم موجود ہے (اور پھر بتایا کہ) میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ' تم کسی سرزمین کے بارے میں سنو کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب تمہارے اپنے علاقے میں وبا پھیل جائے تو اس سے بھاگ کر اس علاقے سے باہر مت جاؤ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ (یہ حدیث سن کر) حضرت عمرؓ نے خدا کا شکر ادا کیا (کہ انہوں نے درست فیصلہ کیا تھا) اور واپس لوٹ گئے۔ (مسلم)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ توکل کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انسان ارادتاً اور بے فائدہ اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دے۔ مضر اور خطرناک چیز سے اپنے آپ کو بچانا بالکل درست بات ہے' لیکن احتیاط کرتے ہوئے بھی بھروسہ اللہ کی ذات ہی پر ہونا چاہیے کیونکہ عین ممکن ہے کہ احتیاط کر کے بھی ہم اس مضر اور خطرناک چیز سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکیں۔

حضرت ثابت بنانیؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی حاجت اپنے رب (ہی) سے مانگے' یہاں تک کہ نمک (بھی) اسی سے مانگے اور یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ (بھی) اسی سے مانگے۔ (ترمذی)

اس حدیث سے جو کچھ مراد ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اس بات پر پورا قلبی یقین ہونا چاہیے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی حاجت سے لے کر بڑی سے بڑی ضرورت تک کو پورا کرنے والی صرف اللہ کی ذات ہی ہے، اس لئے اسے اپنی ہر ضرورت کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ باقی رہی عملی کوشش تو سابقہ احادیث میں بیان ہو چکا ہے

کہ جائز کوشش کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ البتہ کامیابی کے لیے بھروسہ اپنی کوششوں پر نہیں خدا کی رحمت پر ہونا چاہیے۔ اور اپنی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کے لئے بھی اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔

اللہ رب العالمین نے اپنے ضعیف البنیان انسان کو اپنی زبردست و برتر ذات پر بھروسہ کرنے کا حکم دے کر دراصل اسے طاقت کا خزانہ عطا فرما دیا ہے۔ انسان پر حیف ہے کہ اگر وہ اس بے پناہ طاقت سے فائدہ اٹھانے میں سستی برتے۔

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ کا

انسانوں سے محبت کرنا

حضرت عمرؓ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ قیدیوں میں ایک عورت تھی جو کسی کو تلاش کر رہی تھی، اچانک اسے قیدیوں میں ایک بچہ مل گیا۔ اس نے بچے کو پکڑ کر پیٹ سے چمٹا لیا اور اسے دودھ پلانے لگی (اس پر) حضورؐ نے ہم سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے' کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں خدا کی قسم' جہاں تک اس کا بس چلے گا یہ اسے نہیں پھینکے گی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جتنی یہ اپنے بچے پر مہربان ہے اللہ اس سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ (مسلم)

ایسے ہی حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آئے گی اور یہ (کتاب) عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ کے پاس موجود ہے۔ (مسلم)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ مہربان و رحیم خالق خود بھی انسان سے اس درجہ محبت رکھتا ہے کہ انسانی رشتوں میں سے انتہائی محبت رکھنے والا رشتہ بھی محبت کے

اس مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ انسانوں کے معاملے میں وہ اپنے رحم اور قہر دونوں سے کام لیتا ہے۔ تاہم جب سے اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اس کا غالب میلان رحم کرنے' مہربانی سے کام لینے اور شفقت فرمانے کی طرف ہے۔ ویسے تو اللہ رب العالمین اپنے بندوں پر بہ حیثیت مجموعی ہی شفقت فرمانے والا ہے تاہم ان مخصوص اوصاف سے واقفیت ضروری ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے

کلام پاک میں کئی جگہ ان اوصاف کا ذکر آیا ہے جن کو اپنا کر انسان خدا تعالیٰ کی محبت سے سرفراز ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں انہیں خوش بخت انسانوں کا ذکر ہے جو اپنے اخلاقِ عالیہ کے باعث اس اعزاز کے مستحق ہوئے۔

☆ ''یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں (یعنی غیر یہودیوں) کے معاملے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی ہے) آخر کیوں ان سے باز پرس نہ ہوگی؟ جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور تقویٰ اختیار کرے گا تو بے شک اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران آیات ۷۵'۷۶)

☆ ''دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمان جیسی ہے اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ خوشحال ہوں یا بدحال۔ اور جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے!'' (آل عمران: ۱۳۳'۱۳۴)

☆ ''اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہ ہوئے' نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ (باطل کے آگے) سرنگوں ہوئے اور خدا ایسے صابروں سے محبت رکھتا ہے۔'' (آل عمران:۱۴۶)

☆ ''آخرکار اللہ نے انہیں دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا اور اللہ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے!'' (آل عمران:۱۴۸)

☆ ''(اے پیغمبر) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ اگر تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کر دو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ اور (دین کے کام میں) انہیں شریکِ مشورہ رکھو۔ پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر پکا ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔'' (آل عمران:۱۵۹)

☆ ''اور (اے نبیؐ) اگر تم (ان یہودیوں کے مقدمات کا) فیصلہ کرو تو پھر ان کے درمیان ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔'' (مائدہ:۴۲)

''جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرنے لگے، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ بشرطیکہ وہ آئندہ ان چیزوں سے بچے رہیں جو حرام کی گئی ہیں اور ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اچھے کام کریں پھر جس جس چیز سے روکا جائے اس سے رکیں اور جو فرمانِ الٰہی ہوں انہیں مانیں۔ پھر خدا ترسی کے ساتھ احسان کا رویہ رکھیں۔ اور خدا احسان کا رویہ رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے! (مائدہ:۹۳)

☆ ''اور (اے نبیؐ) انکار کرنے والوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ بجز ان مشرکین کے، جن سے تم نے معاہدے کئے ہیں پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی۔ تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی معاہدے کی مدت تک وفا کرو کیونکہ اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔!'' (التوبہ: ۳، ۴)

☆ ''جب تک وہ (مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا) تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو کیونکہ اللہ تقویٰ رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے!'' (توبہ: ۷)

☆ ''(اے نبیؐ) جو مسجد روز اول سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (التوبہ: ۱۰۸)

☆ ''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔'' (الحجرات: ۹)

☆ ''بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں۔ گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں!'' (الصف: ۴)

☆ ''(اے نبی لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم (حقیقت میں) اللہ سے محبت

رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو‘ اللہ تم سے محبت کرے گا۔(آل عمران:۳۱)

☆’’بے شک اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں سے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے۔(البقرۃ:۲۲۲)

کلام پاک کی مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے والے خوش بخت انسانوں میں مندرجہ ذیل صفات پائی جاتی ہیں۔

- تقویٰ
- عفوودرگزر
- جہادِفی سبیل اللہ کا جذبہ
- صبروتحمل
- اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا جذبہ
- احسان‘ نیکوکاری
- عدل وانصاف
- توکل علی اللہ
- پاکیزگی کا خیال
- معاہدات کو پورا کرنے کی عادت
- اطاعتِ رسولؐ
- خدا کے حضور میں توبہ کرتے رہنے کا دھیان

ذیل میں ان تمام صفاتِ عالیہ کی تھوڑی تفصیل اوران کے بارے میں حضور کے فرامین پیش کئے جاتے ہیں۔

تقویٰ

اللہ تعالیٰ کے خوف کے باعث گناہوں سے پرہیز کرنے کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔

جس انسان کے دل میں یہ خواہش اچھی طرح جڑ پکڑ چکی ہو کہ میں گناہوں سے بچا رہوں اور وہ اس خواہش کے مطابق گناہوں سے بچنے کی پوری کوشش بھی کرتا رہے تو اسے ''متقی'' کہا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن خطابؓ نے ایک دفعہ حضرت کعبؓ سے تقویٰ کا مطلب دریافت کیا تھا۔ حضرت کعبؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کبھی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف کانٹوں والی جھاڑیاں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کئی دفعہ گزرا ہوں۔ حضرت کعبؓ نے پوچھا ''پھر آپ کیا کرتے ہیں؟''
حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''کپڑے سمیٹ لیتا ہوں تاکہ کانٹوں میں نہ الجھیں''
حضرت کعبؓ نے کہا کہ یہی تقویٰ ہے۔

حضرت کعبؓ بڑے دانا اور عقل مند انسان تھے، انہوں نے انتہائی خوبصورت طریقے سے تقویٰ کی تعریف فرمادی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ زندگی جو ہم گزار رہے ہیں ایک ایسی راہ ہے جس کے دونوں طرف گناہوں کے کانٹے لگے ہیں۔ ہمارے چاروں طرف آزمائشیں بکھری پڑی ہیں اور ہم کسی وقت کسی آزمائش کا شکار ہو سکتے ہیں۔ جو انسان زندگی گزارتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھے کہ کہیں میں کسی غلط راہ پر نہ چل پڑوں وہ متقی ہے۔

حضورؐ کا فرمان:

حضرت ابوذرؓ غفاری بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم کو اپنی ذات سے نہ کسی سرخ کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلے میں۔ البتہ تقویٰ کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)

عفوودرگزر

عفو کا مطلب ہے مٹا دینا' محو کر دینا' جو شخص کسی زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے وہ گویا اس کی زیادتی کے خیال کو دل ودماغ سے محو کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام العفو بھی ہے یعنی معاف کرنے والا' درگزر کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ خود بھی اپنے بندوں کو کثرت سے معاف فرماتا ہے اور انسانوں کے بارے میں بھی یہی پسند فرماتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی خطاؤں اور زیادتیوں کو معاف کر دیا کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیا میں عفو نہ رہے اور ہر انسان دوسرے سے پورا پورا بدلہ لینے پر تل جائے تو زندگی کی بہت سی خوبصورتی ختم ہو جائے اور دنیا میں عام بربادی پھیل جائے۔

حضورؐ کا فرمان:

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس شخص کے بدن کو کچھ صدمہ پہنچے اور وہ صدمہ پہنچانے والے سے اس کا قصاص نہ لے بلکہ اسے معاف کر دے تو اللہ اس کے باعث اس کا ایک درجہ بلند کرے گا یا اس کا ایک گناہ معاف فرمادے گا.............(ابن ماجہ)

جہادِ فی سبیل اللہ

جہاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے کلمہ کو سر بلند کرنے کے لیے انتہائی جدوجہد کی جائے۔ یہ جدوجہد مالی بھی ہو سکتی ہے' قلمی بھی اور تلوار کے ساتھ بھی۔ مندرجہ بالا آیات میں جس جہاد کا ذکر ہے وہ یہی ہے کہ ضرورت پڑنے پر اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنانِ دین سے جنگ کی جائے۔ جو شخص اس جنگ میں حصہ لے وہ ''مجاہد'' ہے اور جو اس میں جان دے دے وہ ''شہید'' کہلاتا ہے۔ مجاہد اور شہید اللہ کے نزدیک عظیم رتبے کے مالک ہوتے ہیں۔

حضورؐ کا فرمان:

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو، اور اللہ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے (غرضیکہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو) اس کی مثال (ہمیشہ) روزہ رکھنے والے (اور رات بھر) عبادت کرنے والے کی سی ہے اور اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اگر اس کو موت دے گا (یعنی وہ شہید ہو جائے گا) تو اسے جنت میں داخل کرے گا۔ یا اسے (غازی بنا کر) اجر اور مال غنیمت کے ساتھ زندہ لوٹائے گا۔ (بخاری)

صبر

عربی زبان میں صبر ایک پھل کو کہتے ہیں جس کا مزہ کڑوا ہوتا ہے، مختلف اقسام کی جسمانی ذہنی، روحانی تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لینے اور ثابت قدم رہنے کو صبر کہا گیا ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں صبر کی جس خاص شکل کی طرف اشارہ ہے یہ وہ صبر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے خدا کی راہ میں آنے والے مصائب و آلام کے مقابلے میں کیا تھا۔ دورانِ جنگ میں جو تکلیف مجاہدین کو سہنی پڑتی ہیں وہ کسی بے صبر انسان کے بس کا روگ نہیں ہوتیں، انہیں وہی لوگ برداشت کر سکتے ہیں جنہیں خدا، خدا کے رسولؐ اور خدا کے دین کی سربلندی کے مقابلے میں نہ جان پیاری ہو، نہ مال نہ آل اولاد نہ کوئی اور رشتے۔ جن کی غیرت وحمیتِ اسلامی کا یہ عالم ہو کہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جانا منظور ہو مگر دشمن کے آگے کمزوری دکھانا اور باطل کے آگے سر جھکانا کسی صورت منظور نہ ہو۔ یہ تو صبر کی ایک خاص شکل ہے۔ ویسے جس شکل میں بھی صبر سے کام لیا جائے اللہ تعالیٰ کی

خوشنودی کے حصول کا باعث بنتا ہے۔

حضورؐ کا فرمان:

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک جماعت نے رسول خدا ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے انہیں عطا فرمایا۔ انہوں نے پھر مانگا تو آپؐ نے پھر عطا فرمایا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپؐ کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا وہ میں تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا۔ ویسے (یہ یاد رکھو کہ) جو کوئی سوال سے بچنا چاہے اللہ اسے اس سے بچا دیتا ہے اور جو کوئی استغناء چاہے اللہ اسے مستغنی کر دیتا ہے اور جو کوئی اپنے نفس پر زور ڈال کر صابر بنے گا اللہ اسے صابر بنا دے گا۔ اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور کشادہ تر نعمت نہیں ملی۔ (بخاری)

راہِ خدا خرچ کرنا

اسلام میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو عظیم نیکی قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی برتر حکمت کی بنا پر سب انسانوں کو مالی لحاظ سے ایک درجے پر نہیں رکھا۔ بعض ایسے ہیں جن کے پاس ضرورت سے زیادہ ہے اور بعض وہ ہیں جو اپنی ضروریات کو بھی پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے خود انسان ہی کے فائدے کی خاطر اسے حکم فرمایا ہے کہ ضروریات سے زیادہ رکھنے والے ان لوگوں کی مالی امداد کریں جو اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے، اس سے افراد معاشرہ کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے' ان کے دلوں سے دولت کی حرص کم ہوتی ہے اور کئی اقسام کی اخلاقی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں۔

حضورؐ کا فرمان: حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے (ان سے) فرمایا کہ تو (اللہ کی راہ میں) خرچ کر اور گن گن کر نہ رکھ' ورنہ اللہ بھی تجھے گن گن کر دے گا۔ (بے حساب نہیں دے گا) اور تو (دولت کو) بند کر کے مت رکھ ورنہ اللہ بھی تجھ سے

(اسے) روک لے گا۔ (بخاری)

احسان، نیکوکاری

لفظ احسان کا مادہ حسن ہے۔ احسان کا مطلب ہے کسی کام کو خوبصورتی سے انجام دینا۔ احسان کی دو قسمیں ہیں ایک عبادات میں احسان اور دوسرے انسانی معاملات میں احسان، عبادات میں احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت نہایت خشوع و خضوع، ذوق وشوق اور پوری توجہ سے کی جائے اور انسانی معاملات میں احسان کی بہت سی شکلیں ہیں مثلاً

o جس نے نیک سلوک نہ کیا ہو اس کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

o جس نے نیک سلوک کیا ہو جواباً اس کے نیک سلوک سے بڑھ کر نیک سلوک کرنا!

o برا سلوک کرنے والے سے بدلہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود اسے معاف کر دینا۔

o تنگ دست قرض دار کو مزید مہلت دے دینا۔

o مالدار قرض دار سے قرضہ وصول کرتے وقت اس پر آسانی کرنا۔

o دوسرے کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہوئے ایثار سے کام لینا۔

o مجبور کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھانا۔

o اگر کسی کو سزا دینی ہی ہو تو اس طرح دینا کہ اسے کم سے کم تکلیف ہو۔

o اچھی سفارش کرنا یا کسی کا بگڑا کام بنانا وغیرہ۔

غرضکہ احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت کرتے ہوئے اور انسانوں کے ساتھ

معاملہ کرتے ہوئے ایسا طرز عمل اختیار کرنا جو نہایت پسندیدہ ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے خوش ہو اور انسانوں کے دل بھی اس سے خوشی محسوس کریں اور پریشانی سے بچ جائیں۔

حضورؐ کے فرامین: بخاری میں ایک لمبی سی حدیث بیان ہوئی ہے جسے حدیث جبرئیلؑ کہا جاتا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیلؑ انسانی شکل میں حضورؐ کی مجلس میں آئے اور صحابہؓ کو دین کی تعلیم دینے کی خاطر حضورؐ سے مختلف سوالات کئے جن کے حضورؐ نے جواب دیئے اور اس طرح سوالات اور جوابات کی شکل میں صحابہ کرامؓ کو دین کی بنیادی باتوں کے بارے میں معلومات دی گئیں ان سوالوں میں سے حضرت جبرئیلؑ نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ احسان کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ:

"(احسان یہ ہے) کہ تم خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم نہیں دیکھتے تو (کم از کم یہ کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

مراد یہ ہے کہ اتنی عمدگی اور کامل توجہ سے عبادت کرو کہ گویا خدا تمہیں آنکھوں سے نظر آ رہا ہے اور اگر اتنی عمدگی سے نہ کر سکو تو کم از کم اتنی عمدگی سے ضرور کرو کہ گویا خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ عبادت کا احسان ہے اب رہا معاملات کا احسان تو جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے اس کی کئی شکلیں ہوتی ہیں ذیل میں چند شکلوں کے بارے میں احادیث بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی تنگ دست کو (قرضے کی ادائیگی کے سلسلے میں) مہلت دی یا اسے قرض معاف کر دیا اللہ اسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا۔

(یعنی) اس دن جب اللہ کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب کوئی

حاجت مند آپؐ کے پاس آتا تو حضورؐ اپنے ہم نشین لوگوں سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ (اس شخص کی) سفارش کرو۔ تمہیں ثواب دیا جائے گا۔ ویسے تو خدا اپنے نبیؐ کی زبان پر وہی حکم جاری فرمائے گا جو اسے پسند ہے (تاہم تمہارے سفارش کرنے سے تمہیں ثواب مل جائے گا۔ (مسلم)

واضح رہے کہ سفارش سے یہاں جائز اور اچھی سفارش مراد ہے وہ سفارش مراد نہیں جس کا آج کل عام رواج ہے کہ ناجائز اور غلط قسم کی سفارشیں کر کے حقداروں کو محروم کر کے حق نہ رکھنے والوں کو فوائد پہنچائے جاتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک شخص اپنی سواری پر سوار آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا (گویا امداد چاہ رہا تھا) اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اس کے ساتھ اس شخص سے سلوک کرے جس کے پاس سواری نہیں ہے (یعنی وہ فالتو سواری اسے دے کر اس پر احسان کرے) اور جس کے پاس فالتو توشہ ہے ہو اس کے ساتھ اس سے سلوک کرے جس کے پاس توشہ نہیں ہے، پس حضورؐ نے مال کی مختلف قسموں کا ذکر کیا (کہ جن کے پاس یہ چیزیں فالتو ہیں وہ انہیں ان لوگوں کو دے دیں جن کے پاس یہ نہیں ہیں) یہاں تک کہ ہم یہ سمجھے کہ ہم میں سے کسی کو بھی (اپنے کسی) فالتو مال پر کوئی حق نہیں ہے۔ (مسلم)

عدل وانصاف

کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں بھی ذرا کمی بیشی نہ ہو تو اس کو عربی زبان میں ''عدل'' کہتے ہیں، چنانچہ عدل یہ ہے کہ جو بات بھی کہی جائے یا جو کام بھی کیا جائے اس میں سچائی کی میزان ناحق طور پر

کسی طرف جھکنے نہ پائے اور ہر ایک کو اپنا پورا پورا حق مل جائے۔ ایسے ہی انصاف کا مطلب ہے آدھا آدھا بانٹ دینا۔ مراد یہی ہے کہ ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دینا اور کسی کے حق میں کمی نہ کرنا۔

حضورؐ کا فرمان: حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس خدائے رحمٰن کی داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے (یعنی وہ لوگ) جو فیصلے کرتے ہیں تو انصاف سے کرتے ہیں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی عدل کا سلوک کرتے ہیں اور جو کچھ بھی ان کے زیر اختیار ہوتا ہے اس کے معاملے میں عدل وانصاف کا رویہ اختیار کیے رہتے ہیں۔ (نسائی)

توکل علی اللہ

یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے سلسلے میں حضورؐ کے فرامین اسی کتاب میں ''توکل'' کی سرخی کے تحت بیان کئے جا چکے ہیں۔

پاکیزگی

پاکیزگی یہ ہے کہ جن حالتوں کو ناپاکی کی حالتیں کہا گیا ہے انسان ان میں سے کسی حالت میں نہ ہو اور جن اشیاء کو ناپاک کہا گیا ہے انسان کا بدن' کپڑے' نماز پڑھنے کی جگہ وغیرہ ان سے پاک ہوں۔ اسلام میں پاکیزگی کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ نماز کی چار شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ انسان پاکیزگی کی حالت میں ہو باوضو ہو اور اس کا جسم' لباس اور نماز کی جگہ پاک ہو۔

حضور کا فرمان: (قبیلہ) بنو سلیم کا ایک شخص بیان کرتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے میرے ہاتھ پر یا اپنے ہاتھ پر گن گن کر فرمایا کہ:

۱۔ سبحان اللہ پڑھنا (اعمال کی) ترازو کے نصف کے برابر ہے۔

۲۔ اور الحمد للہ پڑھنا (اعمال کی) ترازو کو بھر دیتا ہے۔

۳۔ اور اللہ اکبر پڑھنا آسمانوں اور زمین کے درمیان جو کچھ ہے سب کو بھر دیتا ہے۔

۴۔ اور روزہ آدھا صبر ہے۔

۵۔ اور پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔ (ترمذی)

یہ جو فرمایا کہ ''پاکیزگی آدھا ایمان ہے'' اس کی تشریح میں بتایا جاتا ہے کہ ایمان کے دو پہلو ہیں۔ ایک باطنی جس کا دل سے تعلق ہے کہ دل نورِ ایمان سے معمور ہو اور دوسرا ظاہری جس کا ظاہری جسم' لباس وغیرہ سے تعلق ہے۔ پاکیزگی سے چونکہ عموماً ظاہری جسم لباس وغیرہ کا پاک ہونا مراد لیا جاتا ہے اس لیے اسے آدھا ایمان فرمایا گیا ہے۔

معاہدات کو پورا کرنا

معاہدہ چاہے دو افراد کے درمیان ہو یا دو جماعتوں کے درمیان یا دو قوموں کے درمیان' اور زندگی کے عام معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا تجارت سے یا سیاست سے ہر صورت میں اسے پورا کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق بھی نہیں' اگر کسی غیر مسلم فرد یا جماعت یا قوم سے کوئی معاہدہ کیا گیا ہو تو اسے بھی پورا کرنا ضروری ہے۔

حضورؐ کا فرمان: حضرت حذیفہؓ بن الیمان بیان کرتے ہیں کہ مجھے جنگِ بدر میں شامل ہونے سے صرف اس بات نے روکا کہ میں اور میرا باپ حسیل نکلے تو ہمیں قریش کے کافروں نے پکڑ لیا۔ اور کہنے لگے کہ یقیناً تم لوگ محمد (ﷺ) کی طرف جانا چاہتے ہو۔ ہم نے کہا کہ ہم ان کی طرف نہیں جانا چاہتے۔ ہم تو صرف مدینے جانے کا ارادہ رکھتے

ہیں۔ اس پر انہوں نے ہم سے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و میثاق لیا کہ ہم مدینے چلے جائیں گے اور (میدان بدر میں) حضورؐ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ پھر ہم رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کو ساری بات بتائی تو آپؐ نے فرمایا کہ تم دونوں چلے جاؤ (اور اپنے عہد کی پابندی کرتے ہوئے جنگ میں حصہ نہ لو) ہم ان (کافروں) کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو وفا کریں گے۔ اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں گے۔ (مسلم)

غرضکہ حضورؐ نے کافروں کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنا بھی ضروری سمجھا حالانکہ اس وقت ایک ایسی جنگ درپیش تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد کافروں کی تعداد کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ ایسے ہی مسلمان اگر بہ حیثیت قوم کسی غیر مسلم قوم سے معاہدہ کریں تو جب تک وہ معاہدہ قائم ہو اس کی پابندی بھی لازمی ہے البتہ غیر مسلموں کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ ہو گیا ہو جو اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچا رہا ہو اور اسے توڑ دینا ہی مناسب ہو تو پھر ان لوگوں کو علانیہ بتا دیا جائے کہ اب ہمارے تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ ایسے نہ کیا جائے کہ ظاہراً طور پر معاہدہ قائم رکھا جائے اور در پردہ اس کے خلاف کیا جائے۔

اطاعتِ رسول

نبی کو اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو خدا کا پیغام پہنچا دے اور انہیں وہ احکام بتا دے جن پر عمل کر کے وہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل کر لیں۔ لہذا لوگوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ رسول کی اطاعت کریں۔ پیارے نبی ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صحیح زندگی گزارنے کا ایک مکمل دستور عطا فرما دیا ہے۔ لہذا حضورؐ کے بتائے ہوئے احکام کی اطاعت کرنا خود اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔

حضورؐ کا فرمان: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ میری تمام امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کون انکار کرے گا۔ (آپؐ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا (لہٰذا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا)۔ (بخاری)

توبہ کرتے رہنا

توبہ کا مطلب ہے لوٹ آنا۔ انسان جب گناہ کا ارتکاب کر کے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ ایسے نہیں کروں گا تو گویا وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے اور جب وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی ناراضی دور کر کے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ توبہ کی سہولت عطا فرما کر اللہ تعالیٰ نے انسان پر بہت زیادہ رحمت نازل فرمائی ہے۔ اس سے انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ چاہے وہ برائی میں کتنی ہی دور کیوں نہ جا چکا ہو جب بھی وہ اپنے کیے پر پشیمان ہو تو توبہ کر کے ازسرِ نو ایک پاک اور عزت و آبرو کی زندگی گزارنے کا آغاز کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جو اپنی مخلوق پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے اس بات کو ازحد پسند فرماتا ہے کہ انسان اس کے حضور میں توبہ کے نیکی کی زندگی اختیار کر لے۔

ضوزؐ کا فرمان: حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ دن کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تا کہ رات کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے (اور اللہ تعالیٰ اسی طرح ہر رات کو اور ہر دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا رہے گا تا کہ لوگ توبہ کریں) یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو (یعنی قیامت آ جائے)۔ (مسلم)

رحمتِ الٰہی

کلام پاک اور احادیث نبوی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے اور اگر چہ وہ قہار بھی ہے تاہم اس کی رحمت بھی بے پایاں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے۔ پھر ننانوے حصے تو اپنے پاس رکھ لیے اور (صرف) ایک حصہ زمین پر اتارا۔ اس (ایک) حصے کے باعث مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے یہاں تک کہ چوپایہ اپنے بچے پر سے اپنا پاؤں اٹھالیتا ہے' اس خوف کے مارے کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچ جائے۔ (مسلم)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے پناہ ہونے کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ اللہ کی مخلوقات میں ایک دوسرے پر رحم مہربانی اور شفقت کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی دنیا میں نظر آتا ہے خدا کی رحمت اس سے ننانوے گنا زیادہ ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس بات کا دھیان بھی رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو محبت ہے اور وہ ان پر جتنی شفقت فرماتا ہے، اس کا احساس انسان کے لیے اس بات کی طرف لے جانے کا موجب نہیں ہو جانا چاہیے کہ اس کا دل خوف خدا سے خالی ہو جائے۔ اپنی ساری محبت اور رحمت کے باوجود اللہ قہار بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اگر مومن کو اس عذاب کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو پھر کوئی اس کی جنت کی تمنا نہ کرے اور اگر کافر کو اس رحمت کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو پھر کوئی اس کی جنت سے ناامید نہ ہو۔ (مسلم)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت اور اس کی رحمت کی انتہا

دونوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے تا کہ انسان کے دل میں خوف بھی رہے اور امید بھی قائم ہو۔ جن لوگوں کے دلوں میں خدا کے عذاب کا خوف اور اس کی رحمت کی امید دونوں موجود رہتے ہیں ان کی قلبی کیفیت پھر وہی ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ کے ذیل کے مقولے میں بیان ہوئی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''اگر مجھے معلوم ہو کہ ساری دنیا جنت میں جائے گی سوائے ایک آدمی کے تو میرے دل میں خوف پیدا ہو جائے گا کہ وہ ایک میں ہی تو نہیں اور اگر مجھے یہ پتہ چلے کہ ساری دنیا دوزخ میں جائے گی سوائے ایک آدمی کے تو مجھے امید ہو گی کہ وہ ایک شاید میں ہی ہوں۔''

☆......☆......☆

دعا

اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو خصوصی رحمتیں نازل فرمائی ہیں ان میں ایک بہت بڑی رحمت یہ ہے کہ اس نے اپنے اور انسان کے درمیان دعا کا وسیلہ قائم کر دیا ہے۔ شامِ غم ہو یا صبحِ مسرت' یہ وسیلہ انسان کے لیے ہمیشہ انتہائی خیر و برکت کا باعث بنا رہتا ہے۔ دعا کا مطلب ہے پکار...... انسان کو جب بھی کوئی احتیاج پیش آتی ہے' چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی مادی ہو یا روحانی' وہ اسی قادر مطلق کو پکارتا ہے اور وہ رؤف و رحیم اس کی پکار کو سنتا اور اس کی احتیاج کو پورا کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل میں جتنی خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ان کا صرف ایک قلیل حصہ ہی ایسا ہوتا ہے جسے پورا کرنے کے ذرائع اور وسائل اسے فوری طور پر حاصل ہوں۔ باقی خواہشات کو پورا کرنے کے ذرائع یا تو اسے فوری طور پر حاصل نہیں ہوتے یا پھر ان خواہشات کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہاں مادی ذرائع کام دے ہی نہیں سکتے لہٰذا انسان کے رؤف و رحیم مالک نے اپنے اور انسان کے درمیان دعا کا وسیلہ رکھ دیا ہے۔ خواہشات اور تمناؤں کو پورا کرنے کا یہ وسیلہ ''یعنی دعا'' ایک ایسا ذریعہ ہے جو ان خواہشات کے لئے بھی مفید ہے جنہیں پورا کرنے کے مادی ذرائع

فوری طور پر حاصل نہیں ہوتے اور ان کے لئے بھی نافع ہے جو مادی ذرائع سے بالا ہوتی ہیں اور جن کا پورا ہونا صرف خالقِ کائنات کے رحم و کرم ہی پر منحصر ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شفقت کی انتہا ہے کہ اس نے اپنی عظیم اور قدرتِ کاملہ رکھنے والی ذات اور بے بس ضعیف البنیان انسان کے درمیان دعا جیسا مضبوط تعلق قائم کر دیا ہے اور اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ انسان اپنی ہر چھوٹی بڑی احتیاج بار بار اس کے پاس لائے اور بار بار اس کے ابرِ کرم سے سیراب ہو، انسان اور انسان کے خالق کے درمیان دعا کا تعلق ایک نعمت ہے جو ہر قسم کی دینی اور دنیوی نعمتوں کا ذریعہ بھی ہے اور سب سے بڑی دنیوی نعمت یعنی سکونِ قلب اور سب سے بڑی دینی نعمت یعنی رضائے الٰہی کے حصول کا سبب بھی۔ لہٰذا وہ شخص بے نصیب ہے جو اس نعمتِ عظمٰی سے فائدہ اٹھانے سے لاپروائی برتے۔ دعا نہ کرنا یا اس کی طرف کما حقہ توجہ نہ دینا بے نصیبی ہی نہیں بلکہ اس میں پروردگار کی ناراضگی کا خطرہ بھی موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا خدا اس پر غصے ہوتا ہے۔ (ترمذی)

کیوں غصے ہوتا ہے؟ اس لیے کہ دعا انسان کے لیے از حد فائدہ مند چیز ہے اور اللہ تعالیٰ انسان پر بے انتہا مہربان ہے وہ انسان پر غصے ہوتا ہے کہ وہ اپنے فائدے کا کام کیوں نہیں کرتا۔ پھر دعا نہ مانگنے کا سبب یا لاپروائی اور غفلت ہوتی ہے یا تکبر اور اکڑ۔ اور یہ دونوں چیزیں اللہ کو ناپسند ہیں۔

سورۃ المومن آیت ۶۰ میں فرمایا گیا ہے۔

''تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں

داخل ہوں گے۔"

سورۃ البقرہ آیت ۱۸۶ میں ارشاد ہوا ہے:

"اور (اے نبیؐ) میرے بندے اگر آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دیں کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں لٰہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں (یہ بات آپ انہیں سنا دیں) شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔"

سورہ ابراہیم آیت ۳۹ میں حضرت ابراہیمؑ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"بے شک میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔"

پیارے نبی ﷺ نے بھی اہل اسلام کو دعا کرتے رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور مطلع فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سنتے اور قبول فرماتے ہیں اور اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ ان سے مانگا جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات جب رات کی آخری تہائی رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک وتعالیٰ آسمان سے دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخش دوں۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جو گمان میرے بارے میں رکھتا ہے میں اس کے مطابق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ (مسلم)

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور (حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ) افضل ترین عبادت رنج وغم دور ہونے (یا فراخی حاصل ہونے) کا انتظار کرنا ہے۔ (ترمذی)

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ افضل ترین عبادت رنج وغم دور ہونے کا انتظار کرنا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت جزع فزع کرنے اور شکوے شکایات کرنے کے بجائے صبر اور حوصلے سے کام لیتا ہے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے کہ وہ اس کی پریشانیوں کو دور فرما دے گا تو اس کا یہ عمل اس کے لئے بہت زیادہ فضیلت کا باعث ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شے دعا سے زیادہ بزرگی والی نہیں ہے۔ (ترمذی)

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ٥

(اور تمہارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں ضرور وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)۔ (ترمذی)

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "دعا ہی عبادت ہے" کی تشریح میں بتایا جاتا ہے کہ اس سے مراد دعا کی عظمت کو مبالغے کے ساتھ بیان کرنا ہے یعنی دعا عبادت کرنے کی ایک

بڑی عظمت والی شکل ہے۔ اس کے علاوہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دعا میں انسان اپنی عاجزی اور احتیاج اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا اعتراف کرتا ہے اور یہی عبادت کی روح ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ کچھ اسی قسم کا مفہوم ہے جو ذیل کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز (یعنی روح) ہے۔ (ترمذی)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص بھی دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو وہ عطا کرتا ہے جس کا اس نے سوال کیا ہوتا ہے یا اس سے اس کے برابر کوئی برائی روک دیتا ہے بشرطیکہ اس نے کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کی ہو۔ (ترمذی)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جس دعا میں کسی گناہ کا یا رشتے داروں کو کوئی ضرر پہنچانے کا سوال نہ کیا گیا ہو وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے کبھی تو اس کی قبولیت کی شکل یہ ہوتی ہے کہ انسان نے جو کچھ مانگا ہوتا ہے خدا اسے وہی عطا فرما دیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اس پر آنے والی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔ غرضکہ دعا کسی نہ کسی شکل میں انسان کو لازماً فائدہ پہنچاتی ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لئے بھی اسی کے مثل ہو (یعنی جو کچھ اور جتنا تو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگ رہا ہے وہی کچھ اور اتنا ہی تجھے بھی ملے)۔ (مسلم)

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے عمرہ کرنے کی

اجازت مانگی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے میرے بھائی ہمیں بھی اپنی دعا میں شریک رکھنا اور ہمیں بھول نہ جانا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے ایک تو یہ واضح ہوتا ہے کہ خود دعا کرنے کے علاوہ دوسروں سے بھی دعا کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے اور دوسرے اس سے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے انکسار کا پتہ چلتا ہے کہ خدا کے محبوب نبی ہونے کے رتبے پر سرفراز ہوتے ہوئے بھی اپنے ایک امتی سے دعا کے لئے فرمایا اور تاکید فرمائی کہ ہمیں بھول نہ جانا۔

مقبول دعائیں

دعا کے بارے میں جو احادیث ملتی ہیں، ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کون سی دعائیں ہیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے ان خاص خاص انسانوں، حالتوں اور اوقات کو بیان فرمایا ہے جن میں اللہ تعالیٰ خصوصیت سے دعا قبول فرماتا ہے۔ مثلاً

- مظلوم کی دعا،
- مسافر کی دعا،
- باپ کی بیٹے کے لیے دعا،
- روزہ دار کی وہ دعا جو وہ روزہ افطار کرتے وقت کرے،
- امام عادل کی دعا،
- رات کے آخری حصے میں کی جانے والی دعا،
- فرض نمازوں کے بعد کی جانے والی دعا،
- اذان کے بعد کی جانے والی دعا،

o جنگ کے دوران کی جانے والی دعا'

o بارش کے وقت کی جانے والی دعا'

o جمعے کے دن ایک خاص گھڑی کے دوران کی جانے والی دعا وغیرہ'

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دعائیں (ایسی ہیں جو) قبول ہوتی ہیں: مظلوم کی دعا اور مسافر کی دعا اور باپ کی دعا اپنے بیٹے کے خلاف (یعنی بددعا) (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی (ایک) روزہ دار (کی دعا) جو وہ افطار کرتے وقت کرے (دوسرے) امام عادل (کی دعا' تیسرے) مظلوم کی دعا۔

اللہ تعالیٰ اس (دعا) کو بادلوں کے اوپر اٹھا لیتا ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے اور پروردگار فرماتا ہے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم' میں ضرور تیری مدد کروں گا چاہے وہ کچھ دیر بعد ہی ہو۔ (ترمذی)

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا گیا کہ اے خدا کے رسولؐ کون سی دعا سب سے زیادہ سنی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ (وہ دعا) جو رات کے آخری حصے میں مانگی جائے اور وہ جو فرض نمازوں کے بعد مانگی جائے...... حضرت ابو ذرؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے بھی روایت کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے آخری حصے میں کی جانے والی دعا افضل ہوتی ہے اور اس کے قبول ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے (حضورؐ نے یہی الفاظ استعمال فرمائے یا) ان کے قریب قریب ویسے ہی الفاظ فرمائے۔ (ترمذی)

حضرت عمروؓ بن عنبسہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

سنا کہ خدا بندے کے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے، پس اگر تجھ سے ہو سکے کہ تو ان لوگوں میں سے ہو جا جو اس گھڑی میں خدا کو یاد کرتے ہیں تو (ان میں سے) ہو جا (یعنی اس گھڑی خدا کو یاد کیا کر)۔ (ترمذی)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اذان اور اقامت کے درمیان مانگی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی (یعنی ضرور قبول ہوتی ہے)۔ (ترمذی)

حضرت سہلؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ دو (دعائیں ایسی) ہیں جو رد نہیں کی جاتیں یا (آپؐ نے یوں فرمایا کہ) کم ہی رد کی جاتی ہیں (ایک وہ) دعا جو اذان کے بعد کی جائے اور (دوسری وہ جو) جنگ کے وقت کی جائے جب (جنگ کرنے والے) ایک دوسرے سے بھڑ جاتے ہیں...... حضرت سہلؓ بن سعد ہی کے ذریعے (ایک اور) روایت بیان ہوئی ہے (جس میں اتنا زیادہ ہے) کہ حضورؐ نے فرمایا (کہ دعا) بارش کے وقت (بھی قبول ہوتی ہے)۔ (ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم (یعنی رسول خدا) ﷺ نے فرمایا کہ جمعے کے دن ایک گھڑی ہوتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس گھڑی کو اس حالت میں پالے کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو اور کسی بھلائی کی دعا کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے وہ بھلائی ضرور عطا فرما دیتا ہے پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا (جس سے) ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس گھڑی کے قلیل ہونے (اور) چھوٹا ہونے کا بتا رہے ہیں۔ (بخاری)

ممنوع دعائیں

دعا سے تعلق رکھنے والی احادیث میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ بری دعا نہیں کرنی چاہیے مثلاً موت مانگنا یا تکلیف مانگنا وغیرہ۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی مصیبت کے باعث جو اس پر آ پڑی ہو ہرگز موت کی تمنا نہ کرے۔ اور اگر اس کے لیے موت کی تمنا کیے بغیر چارہ نہ ہو تو پھر یوں کہے کہ اے خدا مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے وفات دے دینا جب وفات میرے لیے بہتر ہو۔ (بخاری)

قیس بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت خبابؓ کے پاس آیا۔ انہوں نے (کسی بیماری کے باعث) اپنے پیٹ پر سات داغ لگوائے تھے۔ میں نے انہیں فرماتے سنا کہ اگر نبی ﷺ نے ہمیں موت کی دعا کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو میں اس کے لئے دعا کرتا (مگر چونکہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہوا ہے اس لیے میں اتنی تکلیف میں ہونے کے باوجود موت کی دعا نہیں کرتا)۔ (بخاری)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ ایک مسلمان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے جو (بیماری کے باعث) اتنا ناتواں (ہو چکا) تھا کہ چوزے کی مانند ہو گیا تھا۔ رسول خدا ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو کسی چیز کے لیے دعا کرتا تھا یا اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کرتا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ (اور بتایا کہ) میں یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا جو عذاب تو نے مجھے آخرت میں دینا ہے وہ مجھے جلدی سے دنیا ہی میں دے دے۔ اس پر رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ تو خدا کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا یا (یوں فرمایا کہ) تجھ میں اس کو برداشت کرنے کی استطاعت نہیں ہے (اور فرمایا کہ) تو نے اس طرح دعا کیوں نہ کی کہ اے خدا ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچائے رکھ۔ (اس حدیث کا راوی) بیان کرتا ہے کہ پھر حضورؐ نے اس کے لئے دعا کی تو

خدا نے اسے شفا عطا فرمادی۔ (مسلم)

ہمام بن منبہ نے کچھ احادیث بیان کیں جن کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ ہم سے حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول خدا ﷺ کی طرف سے روایت کی تھیں۔ اور فرمایا کہ رسول خدا ﷺ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کے لیے دعا کرے' کیونکہ جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے اور مومن کی عمر تو اس کے لیے بھلائی ہی زیادہ کرتی ہے۔ (مسلم)

مومن کے لیے عمر بھلائی اس طرح زیادہ کرتی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے خدا کی توفیق سے نیکیاں کر کر کے اپنے اجر بڑھاتا رہتا ہے لہٰذا اگر زندگی میں مصائب اور پریشانیاں آئیں تو موت کی تمنا کرنے کے بجائے اللہ سے اس کی رحمت اور امداد مانگنی چاہیے اور زندگی کے ہر لمحے کی قدر کرنی چاہیے کیونکہ زندگی کے یہی لمحات تو انسان کو آخرت کی بہتری اکٹھا کرنے کا موقع بہم پہنچا رہے ہیں۔ ان لمحات کے کم ہونے کی دعا کیوں کی جائے۔ آخر موت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاتی ہے تو موت مانگنے کے بجائے اس سے یہ التجا کیوں نہ کی جائے کہ وہ ہماری پریشانیاں دور فرمادے۔

دعا کے بارے میں کچھ ہدایات

دعا کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے کچھ ضروری ہدایات بھی دے رکھی ہیں جن کا لازماً دھیان رکھنا چاہئے مثلاً۔

☆ دعا کرنے سے پہلے حضورؐ پر درود بھیجنا'

☆ دعا کرنے کے بعد آمین کہنا'

☆ ہتھیلیاں اوپر کر کے دعا کرنا اور بعد میں ہاتھوں کو منہ پر پھیر لینا'

☆ دعا کر کے اس کی قبولیت کے لیے جلدی نہ مچانا'

☆عزم سے دعا کرنا'

☆دعا کرنے والے کا حرام آمدنی سے پرہیز کرنا'

☆یقین رکھنا کہ دعا قبول ضروری ہوتی ہے چاہے کسی شکل میں ہو'

☆امن وعافیت کے دنوں میں بھی بکثرت دعا کرنا وغیرہ'

ذیل میں وہ احادیث قلم بند کی جا رہی ہیں جن میں حضورؐ نے دعا کے بارے میں مندرجہ بالا ہدایات دی ہیں۔

حضرت فضالہؓ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ایک شخص کو اپنی نماز میں دعا مانگتے سنا اور اس نے (اپنی دعا سے پہلے) رسول خدا ﷺ پر درود نہیں بھیجا تھا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جلدی کی۔ پھر آپؐ نے اس شخص کو پکارا اور اس سے یا کسی اور سے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو شروع میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرے۔ پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے' پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب پڑھنے والا (یعنی امام) آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' کیونکہ فرشتے (بھی) آمین کہتے ہیں۔ پھر جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے موافق ہو جائے اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

آمین کے موافق ہو جانے سے یا تو یہ مراد ہے کہ وہ انسان اور فرشتے ایک ہی وقت میں آمین کہیں یا پھر یہ مراد ہے کہ خشوع وخضوع میں اس انسان کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کی مانند ہو۔

ابو مصبح مقرائی بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابو زہیر نمیریؓ کے پاس بیٹھا کرتے تھے جو (رسول خدا ﷺ کے) صحابہؓ میں سے تھے۔ اور وہ (ہمیں) اچھی اچھی باتیں

سنایا کرتے تھے (ایک دن ایسے ہی ہم ان کے پاس بیٹھے تھے کہ) اچانک ہم میں سے کسی نے دعا کی تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی دعا کو آمین کے ساتھ ختم کرنا کیونکہ آمین کہنا ایسے ہی ہے جیسے خط پر مہر لگانا (کہ اس کے لگانے ہی سے خط اعتماد کے قابل ٹھہرتا ہے) حضرت ابوزہیرؓ نے (یہ بھی) فرمایا کہ میں تمہیں اس کے بارے میں ایک بات بتاتا ہوں۔ ایک رات ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ نکلے اور ایک شخص کے پاس آئے جو بڑے الحاح سے دعا مانگ رہا تھا۔ اس پر رسول خدا ﷺ ٹھہر گئے اور کان لگا کر اس کی دعا سننے لگے۔ پھر فرمایا کہ اگر اس نے مہر لگا دی تو (جو کچھ مانگ رہا ہے اس کی قبولیت کو) واجب کرالے گا۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ کس شے سے مہر لگائے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ آمین (کہنے) سے۔ پس تحقیق اگر اس نے (اپنی دعا کو) آمین کے ساتھ ختم کیا تو (جو کچھ مانگ رہا ہے۔ اس کی قبولیت) واجب کرالے گا۔ اس پر وہ شخص جس نے رسول خدا ﷺ سے سوال کیا تھا چلا اور دعا مانگنے والے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اے فلاں (اپنی دعا کو) آمین کے ساتھ ختم کر اور خوش ہو جا (کہ تیری دعا قبول ہو جائے گی)۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب تو اللہ سے دعا کرے تو اپنی ہتھیلیاں اوپر کر اور ہاتھوں کی پشت کو اوپر مت کر اور جب تو (دعا سے) فارغ ہو جائے تو ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لے۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی (دعا کرتے ہوئے) ایسے نہ کہے کہ اے خدا اگر تو چاہے تو ہمیں بخش دے، اگر تو چاہے تو ہم پر رحم فرما (بلکہ) اسے چاہیے کہ عزم کے ساتھ (اپنا) سوال پیش کرے (کہ اے خدا ہمیں بخش دے، اے خدا ہم پر رحم فرما) کیونکہ (اللہ تعالیٰ پورے طور پر بااختیار

ہے) اس پر کوئی جبر کرنے والا نہیں ہے۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اس کی دعا قبول نہ ہو۔ (البتہ قبولیت کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں) پس یا تو (مانگنے والے ۔ نے جو کچھ مانگا ہوتا ہے) اللہ اسے (وہ چیز) جلدی سے دنیا ہی میں دے دیتا ہے یا (پھر) وہ اس دعا کو (دعا مانگنے والے کے لئے) ذخیرۂ آخرت بنا دیتا ہے (کہ آخرت میں اسے اس دعا کے عوض بے پناہ ثواب ملتا ہے) یا (پھر) جتنی اس نے دعا کی ہوتی ہے اس کے تناسب سے (اس کے گناہ دور کر دیئے جاتے ہیں اور اس طرح) اللہ اس کی دعا کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کرنے والے نے کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کی ہو یا جلدی نہ مچائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ وہ جلدی کیسے مچائے گا؟ آپؐ نے فرمایا (جلدی مچانا یہ ہے کہ) وہ کہنے لگے کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی مگر اس نے میری دعا قبول ہی نہیں کی۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ بندے کی دعا برابر قبول ہوتی رہتی ہے بشرطیکہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ (اور) بشرطیکہ جلدی نہ مچائے، عرض کیا گیا کہ اے خدا کے رسولؐ جلدی مچانا کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ یہ کہنے لگے کہ میں نے (بہت) دعا کی ہے اور (بہت) دعا کی ہے مگر مجھے وہ قبول ہوتی نظر نہیں آتی۔ پھر (نا امید ہو جانے کے باعث) تھک کر بیٹھ جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اللہ تعالیٰ سختیوں اور مصیبتوں کے وقت اس کی دعا قبول کرے، اسے چاہیے

کہ آسانی اور سہولت کے وقت کثرت سے دعا کیا کرے۔(ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! اللہ پاک ہے اور صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے پیغمبروں کو دیا تھا، اس نے (پیغمبروں سے) فرمایا تھا کہ اے پیغمبرو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ بے شک میں تمہارے اعمال کو جاننے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے (مومنوں سے بھی) فرمایا کہ اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ پھر حضورؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو (اللہ کی راہ میں) لمبے لمبے سفر کرتا ہے، پراگندہ مو غبار آلود ہے، اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور پکار پکار کر دعائیں کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار، اے میرے پروردگار اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی حرام (کمائی) کا ہے اور اس کا پینا بھی حرام (کمائی) کا ہے اور اس کا لباس بھی حرام (کمائی) کا ہے اور حرام (کمائی) ہی کی غذا اسے دی جاتی ہے۔ پس ایسے شخص کی دعا کیونکر قبول ہوگی۔(مسلم)

☆......☆......☆

کچھ مناجاتیں

اس کتاب کو، جس کا موضوع ہی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، ختم کرنے سے پہلے کچھ مناجاتیں نقل کر دینا، انشاءاللہ مفید ہوگا یہ وہ مناجاتیں ہیں جو ان دلوں سے نکلیں جن میں اللہ تعالیٰ کی محبت گھر کر چکی تھی۔ سب سے پہلے تو خود رسول مقبول ﷺ کی مناجاتیں نقل کی جاتی ہیں جو محبان الٰہی کے سرتاج تھے:

حضورؐ کی مناجاتیں

اے خدا! میں مانگتا ہوں تجھ سے تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔

اور (میں مانگتا ہوں تجھ سے اس) عمل (کی توفیق) جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔

اے خدا، اپنی محبت مجھے زیادہ پیاری کر دے میری جان سے اور میرے گھر والوں سے اور ٹھنڈے پانی سے۔ (ترمذی)

اے خدا، نصیب کر مجھے اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع پہنچانے والی ہو۔

اے خدا، جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے ان چیزوں میں سے جو مجھے پسند ہیں تو اس کو میرے لیے (باعث) قوتِ بناوہ اعمال کرنے کے لیے جو تجھے پسند ہیں۔

اے خدا، اور جو کچھ تو نے مجھ سے دور کر دیا ہے ان چیزوں میں سے جو مجھے پسند ہیں تو ان کے دور ہونے کو میرے لیے فراغت (کا ذریعہ بنا دے وہ (کام) کرنے

کے لیے جو تجھے پسند ہیں۔(ترمذی)

اے خدا میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔

سستی سے،

اور انتہائی بڑھاپے سے

اور گناہ سے

اور قرض سے

اور قبر کی آزمائش سے

اور قبر کے عذاب سے

اور دوزخ کی آزمائش سے

اور دوزخ کے عذاب سے

اور دولت مندی کی آزمائش کے شر سے

اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں مفلسی کی آزمائش سے

اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجّال کی آزمائش سے

اے خدا دھودے میرے گناہو کو برف اور اولے کے پانی سے

اور میرے دل کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کردے، جیسے تو نے سفید کپڑے کو میل سے پاک کیا۔

اور مجھ میں اور میرے گناہوں میں اتنی دوری کردے جتنی دوری تو نے مشرق اور مغرب میں کی ہے۔(بخاری)

حضرت علیؓ کی مناجات

اے معبودؑ! میں وہی ناچیز ہوں جس کی تو نے پرورش کی، لہٰذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی حقیر ہوں جسے تو نے سربلند کیا، لہٰذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی بے قدر ہوں جس کی تو نے عزت بڑھائی' لٰہذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی ذلیل ہوں جسے تو نے سرفراز کیا' لٰہذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی سائل ہوں جسے تو نے عطا کیا' لٰہذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی رغبت رکھنے والا ہوں جسے تو نے راضی کیا۔ لٰہذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی محتاج ہوں جسے تو نے غنی کیا' لٰہذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی گمراہ ہوں جسے تو نے راہ پر لگایا' لٰہذا تری تعریف ہے۔

اور میں وہی جاہل ہوں جسے تو نے علم دیا' لٰہذا تیری تعریف ہے۔

اور میں وہی گمنام ہوں جسے تو نے شرف دیا' لٰہذا تیری تعریف ہے!

اور میں وہی خطا کار ہوں جسے تو نے معاف فرمایا' لٰہذا تیری تعریف ہے!

حضرت امام زین العابدین علی کی مناجات

اے اللہ! اے وہ ذات جس کی عظمت کے عجائبات کی انتہا نہیں۔ محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت نازل کر اور ہمیں اپنی عظمت کا انکار کرنے سے دور رکھ!

اے وہ ہستی! جس کی حکومت کی مدت کبھی ختم نہیں ہوگی' محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت نازل کر اور ہماری گردنوں کو عذاب سے آزاد فرما:

اے وہ معبود! جس کی عظمت کے خزانے ابدی و سرمدی ہیں' محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما' اور اپنی رحمت میں سے ہمارے لئے حصہ مقرر فرما۔

اے وہ ذات' جس کے دیدار سے نگاہیں قاصر ہیں محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنے (مقام) قرب سے قریب کر!

اے وہ ہستی' جس کی قدر و منزلت کے آگے تمام قدریں حقیر ہیں' محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنے نزدیک مکرم فرما!

اے وہ معبود' جس کے نزدیک پوشیدہ خبریں ظاہر ہیں' محمدؐ اور ان کی آل پر

رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنے نزدیک رسوا نہ کر!

حضرت ذوالنون مصری کی مناجات

اے اللہ! حیوانات کی آوازوں میں'
درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ میں'
موجوں کے شور میں'
پانی کے بہاؤ میں'
پرندوں کے نغموں میں'
شفق کی سرخی میں'
طلوعِ آفتاب کی روشنی میں'
ہواؤں کی سنسناہٹ میں'
اور بجلی کی کڑک میں۔

غرض کہ ہر شے میں تیری توحیدِ ذاتی کی شہادت اور تیری یکتائی کی دلیل چشمِ خود ملاحظہ کرتا ہوں۔ نیز یہ یقین رکھتا ہوں کہ تو

بے ہمتا ہے'
بے نظیر ہے'
بے مثل ہے'
ہمہ جا حاضر و ناظر ہے'
عالم و قادر اور عادل و حکیم مطلق ہے'
تیری ذات ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک ہے'
تو جہالت و حماقت نادانی' ظلم اور کذب سے منزہ ہے'
میں تمام مصنوعات میں تیری صفت اور قدرت کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری رضا طلب کروں اور میری رضا اسی طلب میں ہو۔ آمین!

حضرت رابعہ بصریہؒ کی مناجات

حضرت رابعہ بصریہؒ عشا کی نماز کے بعد چھت پر چڑھ جاتیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں ملتجی ہوتیں:

''پروردگار! ستارے روشن ہو گئے' لوگ سو گئے' بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے' ہر حبیب اپنے حبیب سے محوِ خلوت ہے اور میں یہاں تیرے سامنے کھڑی ہوں!''

پھر ساری رات نمازیں پڑھتیں' فجر ہونے پر تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو جاتیں' جب روشنی پھیل جاتی اس طرح مناجات کرتیں:

''اے خدا! رات گزر گئی' دن آ گیا' کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو نے میری نماز قبول کر لی یا رد کر دی' تیری عزت کی قسم! میرا بھی یہی طریقہ رہے گا جب تک تو مجھے جواب نہ دے گا یا میری مدد نہ کرے گا، قسم ہے تیری عزت کی اگر تو مجھے اپنے دروازے سے دھتکار بھی دے گا تو بھی نہ ٹلوں گی کیونکہ میرے دل میں تیری محبت گھر کر گئی ہے......''

کبھی آپ اللہ تعالیٰ سے یوں ملتجی ہوتیں:

''اے اللہ! میں اپنے قول و فعل سے تیری پناہ چاہتی ہوں ہر اس چیز کے بارے میں جو مجھے تیرے سوا کسی اور میں مشغول کر دے اور ہر حائل ہو جانے والے سے جو میرے اور تیرے درمیان حائل ہو جائے!''

''اے میرے آقا! مقرب بندے خلوتوں میں تیرا قرب ڈھونڈتے ہیں' سمندروں میں مچھلیاں تیری عظمت کے گیت گاتی ہیں اور تیرے مقدس جلال کی وجہ سے موجیں ایک دوسری سے ٹکراتی ہیں!''

☆......☆......☆